اور خود مختار کشمیر پر شیخ صاحب کے ساتھ گفت و شنید کی۔

شیخ عبداللہ سے عارضی طور پر وزارت چھوڑنے اور ریاست کو انجمن اقوام متحدہ کے سپرد کرنے کو کہا گیا تو انھوں نے اقتدار پر شک کا اظہار کر کے اس مشورہ کو ماننے سے انکار کیا۔ اس طرح معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔

لائے ایڈرسن کے بعد ڈاکٹر فرینک گراہم ایسے ہی مشن پر کشمیر آئے۔ تو انھیں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ایک کے بعد ایک مشن کی ناکامی سے ڈاکٹر فل ایڈمنڈر کو سخت صدمہ ہوا۔ انھوں نے شیخ صاحب کے پاس جا کر انھیں سمجھانے کی کوشش کی، شیخ صاحب نے انھیں سخت لہجے میں جواب دیا:

"میں جانتا ہوں تم پاکستان کے طرفدار ہو اور پاکستان کے لئے یہاں کام کر رہے ہو۔ لیکن میرے ہوتے ہوئے تم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

اس جواب سے ڈاکٹر مایوس ہو کر ضرور چلے گئے لیکن انھوں نے ہمت بحال رکھکر شیخ صاحب کا ساتھ نہ چھوڑا۔ شیخ صاحب نے انھیں رائے شماری کے کسی بھی فارمولے پر بولنے سے منع کر دیا۔

ڈاکٹر فرینک گراہم کا مشن سر اوون ڈکسن سے زیادہ مختلف نہ تھا۔ انھوں نے شیخ صاحب کے سامنے یہ تجویز رکھدی کہ کشمیر سے ہندوستان کی فوج کا بیشتر حصہ نکال دیا جائے گا اور آپ کو عارضی طور حکومت سے علیحدہ کر کے اقوام متحدہ کے آفیسروں کی کمان میں دی جائے گی۔ جب تک کہ رائے شماری پر عمل درآمد ہو سکے۔

ڈاکٹر فرینک گراہم کے بیان کے مطابق اس وقت حکومت ہند یہ ضمانت دینے کے لئے تیار تھی کہ رائے شماری کے لئے پرچار کرنے کے دوران کسی بھی شخص کو امن و قانون کی آڑ میں گرفتار نہیں کیا جائے گا اور آزاد کشمیر و پاکستان میں مقیم کشمیری لیڈروں کو کشمیر آکر اپنے حق میں رائے عامہ ہموار بنانے کی اجازت ہو گی لیکن شیخ صاحب اب بھی حکومت سے علیحدہ ہونے کے لئے راضی نہیں ہوئے۔ ان کا جواب یہ تھا کہ اس طرح دنیا کو یہ تاثر ملے گا کہ پاکستان نے رائے شماری سے پہلے ہی نصف فتح حاصل کر لی ہے اور ہندوستان کے خلاف نفسیاتی جنگ میں پاکستان کو واضح تقویت حاصل ہو جائیگی۔

یہاں یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ حکومت ہند رائے شماری کے بارے میں

بیرونی مبصرین کے سامنے فراخدلی کا اظہار کر رہی تھی۔ اس کے لئے ایک کے بعد ایک اڑچن شیخ صاحب ہی ڈالا کرتے تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے ہندوستان پر پاکستان کو برتری حاصل ہو جائے۔ لہٰذا انھوں نے سلامتی کونسل کا مشن ناکام بنا کر رائے شماری کا سارا پلان فیل کر کے رکھدیا۔

البتہ خود مختار کشمیر کا پلان انھوں نے اپنے ذہن سے نہیں نکالا۔ اس پلان کی عمل آوری میں ان کی مدد میجر سکاٹ، غلام احمد عشائی، بی۔ پی۔ ایل۔ بیدی اور فل ایڈمنڈر کر رہے تھے۔

خود مختار کشمیر پر کام کی رفتار اور مختلف مراحل سے پریشان ہو کر ڈاکٹر فل ایڈمنڈر نے شیخ صاحب سے پوچھا۔

"ایک طرف آپ خود مختار کشمیر پر ہمارے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ دوسری طرف سے اس کے بارے میں مطالبات اور تجاویز مسترد کر رہے ہیں — اسطرح کام کیسے چلے گا؟"

اسی دوران میجر سکاٹ کی تبدیلی ہوئی۔ لفٹنٹ کرنل مورفی نے ان کا چارج لیا۔ ڈاکٹر فل ایڈمنڈر نے مورفی کی بیوی کو اس مشن کے لئے اپنا سیکریٹری مقرر کیا۔

مورفی کے بعد نیوزی لینڈ سے میجر مورس برون یہاں آگئے۔ جو مسئلہ کشمیر پر بات چیت کے دوران کشمیر کے اہم مقامات کے فوٹو لینے لگے۔

میجر مورس، فل ایڈمنڈز اور شیخ صاحب چند روز رات گئے تک میٹنگیں کرتے رہے۔ روانگی سے قبل میجر مورس جنگی اہمیت کی سرحدوں کی تصویریں لینے کا اجازت نامہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

میجر مورس کے مشن کے ساتھ جو لوگ شامل تھے۔ ان میں مسٹر جی۔ ای۔ روگ، مس ہرے اور امریکی سفارتخانہ کے فرسٹ سیکریٹری مسٹر رچرڈ لیچ اور مسٹر ایڈمز قابل ذکر ہیں۔ مسٹر روگ اور مس ہرے جو امریکی سفارتخانے کے سوشل اٹیچی تھے۔ "خود مختار کشمیر" سے متعلق پیپر فل ایڈمنڈز سے وصول کر کے امریکی سفارتخانے کے فرسٹ سیکریٹری مسٹر رچرڈ لیچ کے حوالے کرتے جاتے تھے۔

مسٹر رگ، مسٹر ایس۔ پی۔ مون، جی۔ سی۔ را بنیٹر اپنی رپورٹیں مسز ربرن ہام کی معرفت اخبار "سکرپس" اور "ہارلڈ" کو بھیجا کرتے تھے۔ ان

رپورٹنگ کے مطابق مسٹر بچن "آزاد جمہوریہ حکومت کشمیر" کے بارے میں ۔
شیخ عبداللہ کو امریکی امداد اور تعاون کی یقین دہانی کرا رہے تھے۔

پاکستان کی طرف سے اس سلسلے میں محمد اکرم آفندی اور سرمرزا اسماعیل شیخ عبداللہ کے ساتھ رابطے رکھے ہوئے تھے۔

۱۹۵۱-۵۲ء میں شیخ صاحب لیک سیکس سے فرانس تشریف لے گئے۔ تو برطانیہ میں مقیم پاکستانی ہائی کمشنر مسٹر اصفہانی، مسٹر اکرم آفندی، امریکہ کے سیکریٹری آف اسٹیٹ مسٹر ڈویس شیخ صاحب سے ملنے فرانس روانہ ہو گئے۔

یہاں ان چاروں کے درمیان مسئلہ کشمیر پر کھل کر بات چیت ہوئی۔ مسٹر اصفہانی نے شیخ صاحب کو یقین دلایا۔ اگر کشمیر کو سوئیزرلینڈ کی طرز پر ایک آزاد اور خود مختار ملک بنائیں گے تو پاکستان اس کی حمایت کرے گا۔ انھوں نے سر ظفر اللہ خاں خواجہ ناظم الدین اور چودھری عباس خاں کے بارے میں بیا یا کہ وہ بھی اس فیصلے سے مطمئن ہیں۔ صرف آپ کی ہاں کی ضرورت ہے۔

سر ڈویس نے شیخ عبداللہ کو یقین دلایا کہ اگر وہ "خود مختار کشمیر" کی تجویز کو پیش کریں گے تو امریکی حکومت کشمیر کے ساتھ ویسا ہی فوجی معاہدہ کرنے کے لئے تیار ہو گا۔ جیسا معاہدہ اس نے پاکستان کے ساتھ کیا۔ تاکہ وقتِ ضرورت اس ملک کا دفاع کیا جا سکے، فوجی امداد کے علاوہ امریکہ کافی مالی امداد دے کر حکومت کشمیر کی تمام ضروریات پورا کر سکتا ہے۔

شیخ صاحب نے اراکین کو اس مسئلے پر ٹھنڈے دل سے غور کر کے جواب دینے کا یقین دلایا۔

تمام عمر ہی اپنے خلاف سازش کی
وہ احتیاط کی خود پر نہ راز فاش ہوا

مسئلہ کشمیر میں "کلیئر ماؤنٹ" ہاؤس بوٹ کا رول

برصغیر کی تقسیم کے دوران لارڈ مونٹ بیٹن اور لیڈی لارڈ مونٹ بیٹن کا جو رول رہا ہے کم از کم یہی رول "خود مختار کشمیر" کو رو بہ عمل لانے میں ملٹن کلارک اور لیڈی ملٹن کلارک کا رہا ہے۔

جس طرح ملک کی آزادی کے دوران کانگریس کے بعض لیڈر لیڈی لارڈ مونٹ کے رول پر چہ میگوئیاں کر رہے تھے اسی طرح آزادی کے بعد لیڈی ملٹن کلارک کے بارے میں نیشنل کانفرنس کے کئی لیڈر کہہ رہے تھے۔

ملٹن کلارک کے امریکہ میں ایسے اشخاص کے ساتھ اہم تعلقات تھے۔ جو ری پبلکن پارٹی کی مشرق بعید کی لابی کے ساتھ منسلک تھے۔ چنانچہ ان کی تجویز پر ایڈلا اسٹیونسن کشمیر بھیجدیئے گئے۔ ان دونوں نے اکٹھے قزاقی لیڈروں کے ساتھ ملاقات کی۔ اس کے بعد بات چیت کا سلسلہ انھوں نے داچھی گام رکھ میں منتقل کیا۔

ایک طرف ملٹن کلارک اور اُن کی لابی یہاں امریکی مفادات کے لئے کام کرنے لگی تو دوسری طرف فل ایڈمنڈز سیاسی سرگرمیوں میں مصروف رہا۔ انھوں نے اپنے دائرے میں ریونڈ مرفے، ریونڈ میکالین، تھامسن، ریونڈ مٹگا نکلسن، فادر جینکس، مس وَلن، مس ہیریسن، مسٹر اور مسز میزونی، مس وامزے، مس ڈرایو، مس ایشے اور ریونڈ انتھونی وغیرہ کو شامل کر لیا۔ یہ سب کے سب یہاں پاکستان کے لئے کام کر رہے تھے اور لوگوں کے دلوں میں یہ خیال بٹھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ امریکہ اور برطانیہ کی امداد سے کشمیر آخر کار پاکستان کا حصہ بنے گا۔ بعد کی ملاقاتوں میں انھوں نے اپنے ساتھ ایس۔ پی مُون اور مسٹر جی سی روبرنیر کو بھی شامل کر لیا۔

سراوون ڈکسن کے مشن کی ناکامی کے بعد ڈاکٹر فل ایڈمنڈز نے ڈکسن کے ساتھ رابطہ قائم کر کے انھیں اس پلان میں ترمیم کرنے پر آمادہ کر لیا تاکہ شیخ عبداللہ کا اقتدار برقرار رہ سکے اور ریاست کو انجمن اقوامِ متحدہ کے سپرد بھی کیا جا سکے۔ فل ایڈمنڈز کا کہنا ہے ڈکسن نے یہ ترمیم شدہ پلان مان لیا تھا لیکن اس کی عمل آوری میں وہی رکاوٹ آئی جس کی نشاندہی لائے اینڈرسن نے کی تھی۔

مغربی ممالک کی طرف سے "خود مختار کشمیر" پر جو کام یہاں ہو رہا تھا اور جس پر بھارت سرکار نگاہ رکھکر اسے "کشمیر سازش کیس" سے تعبیر کر رہی تھی۔ اس کا بیشتر کام نسیم باغ کے پاس ہاؤس بوٹ "کلیر ماؤنٹ" میں ہوا کرتا تھا۔

یہ ہاؤس بوٹ واقعی سازش کا ایک اڈہ بن گیا تھا۔ ڈاکٹر فل ایڈمنڈز نے اس بارے میں لکھا ہے۔

"یہاں بین الاقوامی شہرت کے لوگ اُن کی بیویاں، بہو بیٹیاں اور مقامی سیاسی رہنما اور معزز شہری آیا کرتے تھے۔ ہاؤس بوٹ "کلیر ماؤنٹ" ایک طلسماتی محل سے کچھ کم نہ تھا۔ یہاں جولائی ۱۹۴۸ء سے لے کر جولائی ۱۹۵۳ء تک "خود مختار کشمیر" کے لئے عام اور خفیہ میٹنگیں کی گئیں۔ "خود مختار کشمیر" کی آڑ میں اس ہاؤس بوٹ میں ایسے کھیل کھیلے جا رہے تھے جن کو ضبطِ تحریر میں لانے سے احتراز کرنا پڑ رہا ہے۔

یہاں ہندو مسلم سکھ عیسائی کی تمیز مٹا کر رنگ رلیاں منائی جا رہی تھیں۔ مالِ غنیمت کا حصّہ بخرا کیا جاتا۔ تقرری اور ٹرانسفر کے آرڈر، سفارش اور انتقام گیری کے منصوبے بھی یہاں بنائے جاتے تھے۔

مس بروکنز، مسز ملٹن کلارک، مسز موڑینا، مس ایڈینا بیلی، فونیٹس اور مس سٹاور اس ہاؤس بوٹ کی زینت مانی جاتی تھیں۔ اس ہاؤس بوٹ میں مسز فردا بیدی کو اپنے شوہر بی۔ پی۔ ایل۔ بیدی نے مشتبہ حالت میں رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا۔

ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ کے ایک افسر اعلیٰ اسد اللہ کاظمی کی جوان اور حسین بیٹی رضیہ اسی ہاؤس بوٹ میں کنواری ماں بن گئی تھی اور اس کی ناجائز اولاد جس نے جنم کے ساتھ ہی موت کا جام پیا۔ ولی محمد بٹ بیرے نے اپنے ہاتھوں سے ہاؤس بوٹ کے پاس دفن کر دیا۔ اس صدمہ کو کاظمی صاحب برداشت نہ کر سکے اور وہ اندر ہی اندر

[illegible] روگ کو پال کر آخر اس دُنیا کو خیر باد کہہ کر چلا گیا۔"

اس ہاؤس بوٹ میں صرف خاص خاص آدمیوں کو آنے کی اجازت تھی۔ اندر [illegible] نے کے لئے کورڈ ورڈ "ایگل" مخصوص تھا۔ کورڈ ورڈ کے استعمال کے باوجود نئے [illegible] روں کو انتہائی سخت مراحل سے گزر کر ممبر بنایا جا سکتا تھا۔

اس کے دیکھا دیکھی دوسرے ہاؤس بوٹ اور ہوٹل بھی اسی طرز پر چل رہے تھے۔ یہاں حکومت کے کرتا دھرتا، بڑے بڑے بزنس مین اور ٹھیکیدار آ کر صرف [illegible] اشی کیا کرتے تھے۔ مسئلہ کشمیر کے ساتھ انھیں کوئی دلچسپی نہ تھی، لہٰذا یہاں نہ خود [illegible] تاری کی باتیں ہو رہی تھیں اور نہ ہی رائے شماری کا ذکر چھیڑا جاتا۔ ان کا سارا [illegible] ٹرول بخشی رشید اور بخشی مجید اور ان کے لنگوٹیا یار کے ہاتھ میں تھا۔

"کلیر ماونٹ" ہاؤس بوٹ میں آنے جانے والوں کی مکمل فہرست اور [illegible] کا سارا حال گورنمنٹ آف انڈیا نے مخبری کرا کے حاصل کر لیا تھا۔

اس ہاؤس بوٹ سے غیر ملکی سفارتخانوں، سیاحوں، مبصروں اور اخبار نویسوں [illegible] کشمیر کے حالات کے بارے میں جو اطلاعات بہم پہنچائی جا رہی تھیں اس کو مرکزی [illegible] سرکار اپنے ملک کے مفاد کے خلاف سمجھ کر اس پر کڑی نگرانی کر رہی تھی۔ مرکزی سرکار [illegible] انٹلی جنس کا دائرہ وسیع کیا اور دوسرے ہاؤس بوٹوں پر نگرانی شروع کی جس [illegible] پاداش میں اقبال چاپری کے ہاؤس بوٹ کے خفیہ تہہ خانے سے وائرلیس سیٹ [illegible] راہم کا غذات ضبط کر لئے۔ اس ہاؤس بوٹ کے مالک اقبال چاپری کو گرفتار [illegible] گیا۔ جس پر پاکستان کے ساتھ رابطہ رکھنے کا الزام لگایا گیا۔

مرکزی سرکار کی نظر میں شیخ محمد عبداللہ کے ذہن کا رخ ایسے اغراض کی طرف [illegible] گیا جو قوم کے کاز کے ساتھ اُن کی نظر میں "ہولناک غدّاری" کے مترادف تھا [illegible] نکہ اقوامِ متحدہ کے مبصروں اور دوسرے نمائندوں جن میں اینڈرسن، ڈکسن جوزف [illegible] بل، ڈاکٹر گراہم اسٹیونسن، ملٹن کلارک ڈونالڈ روگ ہیرے، ایڈنریج شامل [illegible] ن۔ شیخ عبداللہ کا ذہن بدلنے میں اہم رول ادا کر رہے تھے۔ لہٰذا متفقہ فیصلے کے [illegible] مرکزی ہوم منسٹری کی طرف سے شیخ محمد عبداللہ کو ایک خط بھیجا گیا جو ایک طرح [illegible] جواب طلبی تھی۔ اس جواب طلبی کا شیخ صاحب نے جواب دیا کہ نہیں البتہ اپنی صفائی

میں اُنھوں نے پریس کو ایک بیان دیا :

"خود مختاری ایک حسین تصوّر ہو سکتا ہے ۔ مگر کیا اس تصور کو علمی جامہ پہنایا جا سکتا، کیا اس تجویز کو وہ گارنٹی اور منظوری حاصل ہے۔ جو اس کے لئے لازمی ہے۔ کیا کشمیر جیسا چھوٹا ملک جس کے پاس محدود ذرائع ہوں۔ خود مختاری کو قایم رکھ سکتا ہے اور کیا تمام متعلقہ ممالک ایسے سیاسی موڈ میں ہیں کہ وہ اس تجویز کے ساتھ صدق دلی سے اتفاق کا اظہار کریں یا صرف یا صرف رسمی طور پر خود مختاری کا اعلان کرنے سے ہم کسی بے اصول اور طاقتور ملک کا لقمہ تو نہیں بنیں گے ؟

ایسا کرنا اُس اصول کے ساتھ بدترین قسم کی غدّاری ہوگا جس اصول کو ہم اس قدر لمبے عرصے سے اپنا رہے ہیں ....."

اس طرح شیخ صاحب نے مرکزی حکومت کو جواب دیا کہ میں بھارت کے ساتھ کئے گئے عہد و پیماں کو توڑ کر بدترین قسم کی غدّاری کا مرتکب نہیں ہو سکتا بھلے ہی ریاست کے عوام آزادی اور خود مختاری کی نعمت سے محروم رہے۔ اخبار کے ذریعے شیخ عبداللہ کا یہ بیان دراصل ایک ڈراما تھا اور اس کے ذریعے بھارت سرکار کو دھوکہ میں رکھنے کی ناکام کوشش ہو رہی تھی۔

شیخ عبداللہ نے ۱۰ جنوری ۱۹۵۸ء کو انڈین ایکسپریس کے چیف ایڈیٹر سٹر فرینک مورس کو ایک انٹرویو کے دوران بتایا :

"میں محتاط ہو کر قدم بڑھانا چاہتا تھا۔ میں ہند کے ساتھ الحاق کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ لیکن کھلے بندوں اس کا اظہار بھی نہیں کر سکتا تھا۔"

پاکستان کے ساتھ الحاق کے بارے میں سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"اگر وہ کشمیر کی وادی میں پاکستان کے حق میں ووٹ ڈلوانے میں کامیاب ہوئے تو وہ ملک کے ایک ایسے حصّے[1] کی وزیر اعظمیٰ کے لئے زبردست

---

[1] شاید یہ جموّں یا لدّاخ ہو سکتا ہے اور اس سے شیخ عبداللہ کی اقتدار کی چاہت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ چاہے ریاست کے ٹکڑے ٹکڑے کیوں نہ ہو جائیں۔

اُمیدوار ہوں گے جہاں سیاسی سوجھ بوجھ[1] رکھنے والوں کی بہتات نہ ہو۔ ہم خود مختار کشمیر کا خواب ضرور دیکھ رہے ہیں جس کی سلامتی کونسل ضمانت دے سکے لیکن فوری طور پر اس کا اعلان نہیں کر سکتے۔"

ان بیانات سے شیخ عبداللہ کی سوچ اور اپروچ اور اُن کی پریشانی کے ساتھ ان کی دورُخی پالیسی صاف طور پر اُجاگر ہو جاتی ہے۔ وہ مرکزی سرکار سے جو باتیں پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے۔ یہ سب باتیں وہ جان گئے تھے "کشمیر سازش کیس" کے بارے میں اُن تک تمام رپورٹیں پہنچ گئی تھیں۔ چونکہ مرکزی سرکار عارضی الحاق کے بندھن میں جکڑا ہوا تھا اور وہ الحاق کو تابع رائے شماری رکھنے کا اظہار بھی کر چکا تھا۔ اس لئے قانونی اور اخلاقی طور پر وہ شیخ عبداللہ کی اس کاروائی کو نہ سازش کا نام دے سکتی اور نہ ہی اس سلسلے میں اُن کے خلاف کوئی مقدمہ دائر کر سکتی۔ البتہ اس نے شیخ عبداللہ کو وزارت سے برطرف کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اب وہ صرف موقع کی تلاش میں رہا۔

مرکزی سرکار حالات پر کڑی نگاہ رکھکر موزوں وقت کا انتظار کر رہی تھی۔ اُدھر سرینگر میں "کلیئر ماؤنٹ" کی رونق قائم رکھنے کے لئے نت نئے چہرے تلاش ہونے لگے۔ حسین کبوتریوں کے سامنے دانہ ڈال کر جو دانہ کھانے کے بہانے قریب آتی اور کسی قسم کی مزاحمت نہیں کرتی اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا اور جو دانہ کھا کر بھاگنے کی کوشش کرتی اس کو یا تو "زبردستی" کے مراحل سے گزرنا پڑتا۔ نہیں تو اُس کے اُڑنے کے پر ہی کُتر لئے جاتے۔

بعض کبوتریاں جو ان دانوں کی تاثیر سے واقف ہو کر ان کو چھونے سے بھی کتراتی تھیں اور زور زبردستی کے باوجود اپنے آپکو بچا رکھتیں اُنکے لئے دوسرے مختلف جال، بُنے جاتے تھے۔

ان کبوتریوں کے غول میں ایک حسین اور جوان کبوتری بھی تھی جو مرکزی وزیر

---

[1] شیخ صاحب سوجھ بوجھ رکھنے والے لوگوں پر حکومت کرنا نہیں چاہتے تھے اور نہ ہی کر سکتے تھے۔ سوجھ بوجھ، غیرت اور شعور سے مبرا کشمیری عوام کے سوا اُنکا کسی اور قوم پر حکومت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسکا انھیں خود بھی احساس تھا اور اسکا برملا اظہار اُنکے اس انٹرویو میں ملتا ہے۔

رفیع احمد قدوائی کے بھائی مدحت قدوائی کی بیوی تھی۔ مدحت قدوائی یہاں پرسنل سیکریٹری کے عہدے پر تعینات تھے۔ مدحت قدوائی کی بیوی کی خوبصورتی اور بھرپور جوانی کے جب دور دور تک چرچے ہونے لگے تو ان پر بھی دانہ پھینکا گیا لیکن جب اس نے ایسا دانہ کھانے سے انکار کیا تو اس کے پَر کترنے کی کوشش کی گئی۔ اس نے اس زور زبردستی کے خلاف احتجاج کیا اور سارا ماجرا اپنے شوہر مدحت قدوائی کو سُنا دیا۔ مدحت نے رفیع احمد قدوائی سے رابطہ قائم کر کے اُنھیں حالات سے آگاہ کیا، مدحت قدوائی کی بیوی پر سرینگر میں زور زبردستی کے خلاف مرکزی کابینہ کی میٹنگ میں سخت احتجاج کیا گیا۔ ہوم منسٹری نے اس کاروائی کا سخت نوٹس لیا۔ اجیت پرساد جین کو انکوائری کے لئے سرینگر بھیجا گیا۔ پنڈت جواہر لال نہرو پر ہر طرف سے دباؤ بڑھ گیا اور اس دباؤ میں آکر اُنھوں نے ایک اہم فیصلہ اپنے پاس محفوظ کر لیا۔

یہ معاملہ کچھ ٹھنڈا ہوا تو وُومنز کالج کی پرنسپل مس شَا پر جال پھینکا گیا اس نے بدنامی کی پرواہ کئے بغیر اس جال کو نہ صرف توڑ دیا بلکہ یہ جال پھینکنے والے کو بے عزّت کر کے رکھ دیا، صادق صاحب بیچ بچاؤ نہیں کرتے تو معاملہ سنگین صورت اختیار کر لیتا، صادق صاحب کے پاس مس شَا کے استعفےٰ کا خط، کئی رازوں پر پردہ اُٹھا رہا ہے۔

اِن واقعات کے بارے میں شیخ صاحب اپنے نظریئے کے مطابق "آتشِ چنار" میں لکھتے ہیں :-

"پنڈت جواہر لال نہرو بھی فرقہ پرستوں کے غیض و غضب کا نشانہ بن گئے۔ ان کی زندگی کو نقصان پہنچانے کی دھمکیاں بھی اُنھیں موصول ہونے لگیں۔ اس مغموم فضا کو درست کرنے کے لئے جواہر لال کے خیر خواہوں نے اِدھر اُدھر ہاتھ بڑھانا شروع کیا۔ رفیع احمد قدوائی اس معاملے میں سب سے آگے تھے۔ رفیع صاحب نے اس معاملے کا رُخ پھیرنے کے لئے پنجاب جن سنگھ کے صدر موتی چند شرما سے رابطہ قایم کر لیا۔ موتی چند شرما کا سارا زور اس بات پر تھا کہ مجھے کشمیر میں حکومت

سے الگ کر دیا جائے ..... میری ایک عجیب حالت ہو گئی تھی ۔ ایک طرف حکومتِ ہند کا ایک بارسوخ طبقہ اور ہندوستان کے فرقہ پرست مجھ سے برگشتہ ہو گئے تھے۔ دوسری طرف پاکستان اور اس کے پشت پناہ مجھے ہٹانے پر اُدھار کھائے بیٹھے تھے ....؛ رفیع احمد قدوائی دہلی میں اُس سازش کے پیش کار اور ہدایت کار بن چکے تھے۔ جس کا مقصد مجھے اقتدار سے ہٹانا تھا ..... وہ بخشی صادق اور درگا پرشاد در اور میرے دوسرے مائل بہ فریب ساتھیوں سے میرے خلاف اُلٹی سیدھی لشٹم پشٹم اطلاعات جمع کر کے اُنھیں آخری معرکے کے لئے تیار کر رہے تھے۔ بی۔ این ملک نے اس سلسلے میں اُن کی کاروائی کی اچھی خاصی تفصیل پیش کی ..... پنڈت نہرو مجھے بنی اسرائیل کا قربانی کا بکرا بنانے پر آمادہ ہو گئے تھے .... رفیع احمد قدوائی کی سفارش پر اجیت پرساد جین کو اس نرغے کے سیاسی پہلو کی نگرانی کے لئے سرینگر معمور کیا گیا۔ فوجی پہلو کی کمان پنڈت نہرو نے اپنے ایک معتمد بریگیڈیر بی۔ ایم۔ کول کے سپرد کر دی اُنھیں نہرو نے اس مہم پر اس لئے بھیجا تھا تاکہ کشمیر ملیشیا میں ان عناصر کی شب خون سے پہلے ہی کاٹ چھانٹ کر سکے۔ ۹ اگست کو میرے خلاف اقدام کرنے سے پہلے ملیشیا کے مسلمان سپاہیوں کو یا تو برخواست کیا گیا تھا یا حراست میں لیا گیا تھا۔ ان دونوں وائسرایوں نے سرینگر میں "آپریشن ۹ اگست" کے لئے راستہ ہموار کرنے میں اپنے آقاؤں کی توقعات سے زیادہ سفاکی اور چالاکی دکھائی اور سازشوں کا حوصلہ بڑھاتے رہے .....!"

اِدھر سرینگر میں اجیت پرساد جین انکوائری کر رہے تھے۔ اُدھر ..... رفیع احمد قدوائی نے پریس کے ذریعہ شیخ محمد عبداللہ کو بدنام کرنے کا بیڑہ اُٹھایا۔ اس سلسلے میں اُنھوں نے اپنے دوست "بلٹز" کے مدیر و مالک آر۔ کے۔ کرنجیا سے رابطہ کیا۔ مسٹر آر۔ کے۔ کرنجیا نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مجھے رفیع احمد قدوائی نے

شیخ عبداللہ کے خلاف لکھنے کے لئے کہا۔

شیخ محمد عبداللہ مرکزی سرکار کی نظر میں "کشمیر سازش کیس" میں براہ راست ملوث نہ ہوتے تو اُن کے دیگر قصور اور گناہ معاف ہو سکتے تھے۔ لیکن مرکزی سرکار کو جب پتہ چلا شیخ عبداللہ کسی بھی وقت منہ موڑ سکتے ہیں تو انھیں وزارت سے برطرف کرنے کا فیصلہ YES ہوگیا۔ البتہ کاروائی پر عملی جامہ پہنانے سے قبل پنڈت نہرو نے از راہِ دوستی شیخ صاحب کو ایکبار اور صفائی کے لئے دہلی طلب کیا۔ لیکن اس موقع پر شیخ صاحب نے دہلی جانے صاف انکار کیا۔

پنڈت جواہر لال نہرو ملکہ الزبتھ کی تاجپوشی کی تقریب میں شمولیت کے لئے ولایت جانے سے قبل خود ہی سرینگر تشریف لائے اور شیخ صاحب کے ساتھ "خود مختار کشمیر" کے معاملے پر تبادلہ خیال کر کے انھیں اپنی طرف سے اس تجویز کے نقائص سمجھائے لیکن شیخ صاحب پنڈت نہرو کی دلیل سے مطمئن نہ ہوئے۔ پنڈت نہرو نے واپس دہلی جاکر مولانا ابوالکلام آزاد کو سرینگر بھیجا اور وہ بھی کئی روز تک شیخ عبداللہ کو یہ سمجھاتے رہے کہ محدود آمدنی سے ایک ملک آزاد اور خود مختار نہیں رہ سکتا، مولانا آزاد کی دلیل سے بھی شیخ صاحب متاثر نہ ہو سکے۔ مولانا نے انھیں اپنے ساتھ دہلی چلنے کو کہا تاکہ وہاں پر وزیر اعظم پاکستان مسٹر محمد علی سے جو پنڈت نہرو سے ملنے دہلی آرہے تھے۔ اُن کے سامنے کشمیر کے بارے میں یہ تجویز رکھدیں۔

مولانا آزاد نے شیخ صاحب کو یقین دلایا۔ اگر پاکستان کے وزیر اعظم نے یہ تجویز مان لی تو ہم بھی مان لیں گے اور اسی بات پر ہندوستان، پاکستان کے ساتھ سمجھوتہ کر کے یہ جھگڑا ہمیشہ کے لئے ختم کر دے گا۔

دشیخ عبداللہ نے مولانا آزاد کی یہ تجویز بھی نہیں مانی۔

اس طرح اُنھوں نے فیصلہ کا ایک اہم موقعہ گنوا دیا اور تمام کئے کرائے پر خود ہی پانی پھیر دیا۔ پورے پانچ سال تک "خود مختار کشمیر" پر کام کرنے کے بعد بھی نہ سلامتی کونسل کو ایسا کرنے دیا نہ بیرونی مبصرین کا اس بارے میں ہاتھ بٹایا۔ اب تو ہندوستان اور پاکستان کو ایک دوسرے کے قریب لاکر اپنے ملک کو "خود مختار" بنانے کا سنہری موقع اپنے ہاتھوں جانے دیا ــــ پھر وہ وقت آہی گیا۔ مرکزی سرکار کو اپنے فیصلے

پر عملی جامہ پہنانا پڑا۔

پنڈت نہرو نے شیخ عبداللہ کی برطرفی اور گرفتاری پر جب پارلیمنٹ میں اس سازش پر روشنی ڈالی جو کشمیر میں تیار کی جارہی تھی۔ تو نیشنل کانفرنس کے جنرل سیکریٹری اور پارلیمنٹ ممبر مولانا محمد سعید مسعودی نے اپنے بیان میں فرمایا:۔



(مولانا محمد سعید مسعودی)

"مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ شیخ محمد عبداللہ واقعی کشمیر کو ایک علیحدہ آزاد جمہوریہ بنانا چاہتے تھے اور اس کے لئے کام بھی کر رہے تھے لیکن اُن کا ایسا کرنا کوئی جُرم نہیں ــــ یہ شیخ صاحب ہی تھے جو کشمیریوں کو پاکستان کے حق میں ووٹ دینے سے روک رہے تھے۔ ہندوستان اگر صوبہ سرحد میں آزاد پختونستان کی تائید کر رہا ہے تو انھیں "آزاد جمہوریہ حکومت کشمیر" کی مخالفت کرنے کا حق کس طرح پہنچتا ہے۔"

شیخ محمد عبداللہ نے متواتر پانچ برس تک "خود مختار کشمیر" پر جو کام کیا اس کو رو بہ عمل لانے میں وہ بار بار رکاوٹ بن گئے۔ "آزاد جمہوریہ حکومت کشمیر" جسے بیک وقت دس ممالک تسلیم کرنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ اس کا کام پایۂ تکمیل تک پہنچنے کے باوجود وہ اس کا اعلان کرنے میں ہچکچائے، وہ نہ جانے کس پس و پیش میں گرفتار تھے کہ بھارت سرکار کے اشارے پر انھیں گرفتار کر کے تمام اختیارات سے محروم کر دیا۔ اس طرح "خود مختار کشمیر" کا خاتمہ بالخیر ہوگیا۔



کلیئر مونٹ ہاؤس بوٹ کے پاس وہ چلتا پھرتا ڈاک خانہ جو اندر کے
لوگوں کے لیے ڈاک لاتا تھا

دھجّیاں خود ہی اُڑاتا ہوں گہن اظہار کی
لفظ سے معنی ٹپکتے ہیں تو ٹپکیں، مجھ کو کیا

مرکز اور ریاست کے درمیان اگریمنٹ

دفعہ ۳۷۰

ریاست کے وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ اور مرکزی سرکار کے درمیان تعلقات جو الحاق کے ساتھ بالکل قریبی بن گئے تھے۔ دراصل اسی کے ساتھ دونوں طرف اختلافات بھی شروع ہو گئے۔ مرکزی سرکار کے بعض لیڈر شیخ عبداللہ پر بہت ہی کم بھروسہ کر رہے تھے خود شیخ صاحب اپنی دوغلی پالیسی سے دوست کم اور دشمن زیادہ بنا رہے تھے۔

ستمبر ۱۹۴۹ء میں آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کی طرف سے ایک خصوصی اجلاس سرینگر میں منعقد ہوا۔ اس موقعہ پر مختلف تقریبیں منعقد کی گئیں، جلسے اور جلوس کا اہتمام کیا گیا، لگ بھگ نصف شہر کو ہل والے سُرخ جھنڈوں اور محرابوں سے سجایا گیا۔ ہندوستان کے جھنڈے کا کہیں کوئی نام و نشان تک نہ تھا۔

پنڈت جواہر لال نہرو جو اس اجلاس کے لئے خصوصی طور پر بلائے گئے تھے کانگریس کے جھنڈے کی کمی کو شدت سے محسوس کرنے لگے۔ کئی اخبار نویس جو دہلی سے ان کے ساتھ اجلاس کی رپورٹنگ لینے آئے تھے پنڈت نہرو کی توجہ نیشنل فلیگ کی عدم موجودگی کی طرف مبذول کرائی تو انھوں نے مختصر جواب دیا "صبر کرو!"

نیشنل کانفرنس کے اس اجلاس کے کئی دور ہوئے۔ آخری دور میں ایک قرارداد اتفاق رائے سے منظور کر کے اس امر کا اعادہ کیا کہ نیشنل کانفرنس کی حکومت ریاست کی اٹانومی پر کسی قسم کی پابندی کو قبول نہیں کرے گی، قرارداد میں نیشنل کانفرنس کے پیش کردہ "نیا کشمیر" کے پروگرام پر تجدید عہد کیا گیا اور ساری دنیا کے حریت پسند عوام اور تمام ممالک میں سچے جمہور پسندوں کی ناقابلِ تنسیخ بھائی چارے سے

اپیل کی گئی کہ وہ ہمارے نصب العین کو اپنی اخلاقی اور مالی مدد سے نوازیں ــــ یہ اعلان بھی کیا گیا کہ کوئی شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکے گا کہ فرقہ واریت کے بدصورت عناصر بھارت میں اپنا سر اونچا کر رہے ہیں۔

پنڈت جواہر لال نہرو اور کئی دوسرے مرکزی لیڈروں کے ساتھ بعض اخبار نویسوں نے نیشنل کانفرنس کے لیڈروں کے خیالات پر نہ صرف غم و غصّہ بلکہ تشویش کا اظہار کیا۔

نیشنل کانفرنس کے اس اجلاس کے اختتام کے ساتھ ہی مرکز اور ریاست کے درمیان تعلقات خراب ہونے لگے۔ دونوں طرف سے ایک دوسرے کو دھمکیاں دی جانے لگیں۔

بھارتی رہنماؤں نے اب تک شیخ عبداللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جو کچھ بھی داؤ پر لگا دیا تھا وہ سب ایک طرح سے ضائع ہو رہا تھا۔

شیخ عبداللہ کے آئے دن کے بدلتے بیانات اور ایک کے بعد دوسری کروٹ سے مرکزی سرکار ان کے خلاف سخت اقدام پر غور و خوض کرنے لگی۔ کئی لیڈروں نے پنڈت نہرو کو شیخ صاحب کے بارے میں مصلحت سے کام لینے پر آڑے ہاتھوں لیا۔ البتہ جواہر لال کے ساتھ مولانا آزاد کی سوجھ بوجھ نے بگاڑ کو روک دیا۔

دہلی میں اس معاملے کے پیش نظر مرکز اور ریاست کے درمیان آئندہ تعلقات پر تبادلۂ خیالات کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا اور فیصلہ لیا گیا کہ ریاست پر گرفت مضبوط کرنے کے لئے ایسے اقدامات کئے جائیں کہ کشمیر ہاتھ سے چلا نہ جائے۔

شیخ صاحب کو پابند کرنے کے لئے کئی مشورے زیر بحث لائے گئے۔ تاکہ کسی موقعہ پر اُن کے لئے پَر پھڑ پھڑا کر اُڑنے کی گنجائش نہ رہے۔

سرینگر میں نیشنل کانفرنس کی قراردادوں اور ہاؤس بوٹ "کلیر ماونٹ" کی خفیہ رپورٹوں نے مرکزی سرکار کو گویا جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا اور وہ جلد از جلد ایسے اقدامات کرنا چاہتے تھے تاکہ ان کے اب تک کے کئے کرائے پر پانی نہ پھر جائے۔

مرکزی سرکار یہ کام یک طرفہ طور پر کر نہیں سکتی تھی۔ اس کے لئے اسے نیشنل کانفرنس کے لیڈر شپ کی تائید و حمایت کی ضرورت تھی اور یہ تائید و حمایت کچھ

...یت دے کر ہی حاصل کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ مرکزی سرکار نے اس غرض کے ...ے ریاستی سرکار کے ساتھ مذاکرات شروع کئے۔ مرکزی سرکار نے بات چیت کے ...ئے ریاستی سرکار کے نمائندے طلب کئے تو افضل بیگ یہاں سے بخشی غلام محمد، مرزا افضل



...میر قاسم اور ڈی۔ پی۔ در روانہ ہو گئے ــ بعد میں اس وفد میں شیخ عبداللہ ...ی شامل ہو گئے۔ اُن کے آنے کے ساتھ ہی دہلی اگریمنٹ پر کام شروع ہو گیا۔

جب نئی دہلی میں شیخ صاحب پنڈت نہرو سے ملے تو شیخ صاحب نے اُن سے ...وچھا ــ "آپ ہم سے کیا لینا اور ہمیں کیا دینا چاہتے ہیں؟"

پنڈت نہرو نے زیر لب مسکرا کر ...رجستہ جواب دیا۔

"لینا دینا کیا ہے۔ ہم تو تمہیں ...ہری زنجیروں سے باندھیں گے۔"



(پنڈت نہرو۔ شیخ محمد عبداللہ)

کافی بحث و مباحثہ کے بعد نئی ...لی میں ہند کی دستور ساز اسمبلی نے ...فعہ ۳۷۰ کی شکل میں مملکت کے آئین ...ں ایک دفعہ کا اضافہ کر دیا۔ جس کی رو ...ے دفعہ ۲۳۸ جو راجوں اور مہاراجوں ...ں ریاستوں سے تعلق رکھتی ہے۔ ریاست ...وں و کشمیر کو ہند یونین کے اندر خصوصی مقام دے دیا۔ (یعنی اُڑنے کے اس کے ...ر کاٹ دیئے) اس دفعہ نے ایسے معاملات پر جو یونین لسٹ اور متفقہ فہرست ...ں درج ہیں۔ ہندوستانی پارلیمنٹ کے لئے قوانین سازی کے اختیارات محدود کر دیئے۔

معاہدے کی رو سے کشمیر کو چند مستثنات کے ساتھ دستورِ ہند میں شامل کردہ بنیادی حقوق دیئے گئے۔ ہندوستانی سپریم کورٹ کا دائرۂ اختیار ایک محدود دائرے تک ریاست تک بڑھا دیا گیا۔ ریاست حکومت نے بھارت کے قومی جھنڈے کو سپریم تسلیم کر لیا اور اس کے ساتھ ریاستی جھنڈے کو بھی برقرار رکھا (اس طرح پنڈت نہرو نے اس کمی کو پورا کر دیا جو نیشنل کانفرنس کے اجلاس کے دوران انھیں محسوس ہوئی تھی) اس معاہدے کی ایک اہم دفعہ کا تعلق ہندوستان کے صدر کے ایمرجنسی اختیارات سے تھا۔ دستورِ ہند کی دفعہ ۳۵۲ کے تحت صدر، حملہ، بیرونی خطرہ یا داخلی ابتری کی صورت میں ملک میں ہنگامی حالات نافذ کر سکتا ہے البتہ صدرِ مملکت ریاست پر ایسا کوئی فرمان اسی صورت میں جاری کر سکتا ہے جب اسے ریاستی حکومت کی طرف سے درخواست دی جائے۔ ریاستی سرکار کی منظوری حاصل کرنے کے بعد صدر کا فرمان ریاست پر لاگو ہو سکتا ہے۔ دستورِ ہند میں دفعہ ۳۷۰ شامل کر کے ایک نئے باب کا اضافہ کیا گیا۔

آئینِ ہند میں اس دفعہ کو شامل کرنے سے بعض حلقوں کی طرف سے جب مرکزی سرکار کو رگڑا جانے لگا تو حکومتِ ہند کے ترجمان گوپالا سوامی آئینگر نے برملا اظہار کرتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں کہا:

"وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کشمیر بھی بھارت کے ساتھ اسی قسم کے ادغام کے لئے تیار ہو جائے گا۔ جو باقی ریاستوں میں عمل میں آچکا ہے۔"

دفعہ ۳۷۰ کے بارے میں گوپالا سوامی آئینگر نے یہ برملا اظہار اس وقت کیا۔ جب کشمیر کے لیڈر ابھی دہلی میں موجود تھے اور دفعہ ۳۷۰ کو مرکزی آئین میں درج کرنے کی سیاہی بالکل گیلی تھی۔

اس دفعہ کو آئینِ ہند میں درج کرنے سے اگرچہ خصوصی پوزیشن حاصل ہو گئی اور اس کے تحت اپنا آئین، اپنا سربراہ اور اپنا جھنڈا رکھنے کا اختیار مل گیا، کشمیر پر سپریم کورٹ، مرکزی الیکشن کمیشن اکونٹنٹ جنرل اور آڈیٹر جنرل کا اطلاق بھی نہیں رہا لیکن اس کے بارے میں یہ سب مراعات دینے والوں کی نیت ہرگز صاف نہیں تھی اور اس کا انھوں نے کھلم کھلا اظہار بھی اسی موقعہ پر کیا۔

دفعہ ۳۷۰ کو آئینِ ہند میں شامل کرنے سے پہلے آئین بنانے والوں اور کشمیر کے

نمائندوں کے درمیان طویل بحث ہوئی تھی۔ دونوں طرف کے نمائندوں کی طبعی گفت شنید کے بعد ہی دفعہ ۳۷۰ کو آئینِ ہند میں درج کیا گیا۔

آئینِ ہند کی دفعہ ۳۷۰ جب ایک مسودہ کی صورت میں پیش ہوئی تو اسی وقت مسودہ آئین میں کشمیر سے متعلق اس دفعہ کا نمبر ۳۰۶/A تھا۔ اس آرٹیکل کا مسودہ آئین میں کشمیر سے متعلق اس دفعہ کا نمبر ۳۰۶/A کا مسودہ نامنظور کیا اور اس کے لئے نیا مسودہ تیار کیا گیا۔ اس مسودہ میں خصوصی طور پر اس بات پر زور دیا گیا کہ پارلیمنٹ صرف ان معاملات پر قوانین بنا سکتی ہے جن پر الحاق کیا گیا ہے۔

مسودے کے تبادلے میں سردار پٹیل نے شیخ محمد عبداللہ اور مرزا محمد افضل بیگ کو جس طرح ذلیل کر کے رکھ دیا۔ اگر ان دونوں میں ذرا بھی غیرت ہوتی تو وہ پارلیمنٹ کے اس اجلاس سے واک آؤٹ کرتے جس اجلاس میں دفعہ ۳۰۶/A کی عین موقع پر ادلا بدلی کر کے کشمیری لیڈروں کو بے وقعت کیا گیا۔

ستم ظریفی تو یہ ہے کہ جس مسودہ کو قبول کرنا ان کے لئے ممکن نہیں وہ مسودہ انھوں نے کچھ اس طرح قبول کر لیا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

ورکنگ کمیٹی نے جب آرٹیکل ۳۰۶/A میں ترمیم کر کے متبادل مسودہ پیش کیا تو گوپالا سوامی آئینگر نے سردار پٹیل کو ایک خط لکھا۔ جو حسبِ ذیل ہے:۔

پیارے سردار جی!

شیخ صاحب اور ان کے دو ساتھیوں نے آج صبح میرے ساتھ ڈیڑھ گھنٹہ تک بات چیت کی، یہ ایک لمبی بحث تھی۔ جیسا کہ آپ سے میں نے کہا۔ مسودہ کے بارے میں اُن کے پاس کوئی ٹھوس اعتراض نہیں تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ کے گھر پر اور پارٹی کی میٹنگ میں ڈرافٹ پر اتفاق کرنے کے بعد مجھے یہ امید نہیں تھی کہ آپ مجھے اور پنڈت جی کو اس طرح بے وقعت[1] کریں گے۔ شیخ صاحب نے میری اس بات کے

---

[1] شیخ صاحب دراصل مرکزی سرکار کے ساتھ جھگڑنا چاہتے تھے تاکہ انھیں کشمیر کو آزاد رکھنے کی کلیمر ماؤنٹ کی سازش پایہ تکمیل تک پہنچانے کا موقع ملے۔ ان میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں کہ وہ کھل کر اپنا مدعا بیان کرتے۔

جواب میں کہا۔ اپنے عوام کی ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے اس مسودہ کو قبول کرنا میرے لئے ناممکن ہے۔ میں نے شیخ صاحب سے کہا کہ وہ واپس جاکر اس پر پوری طرح غور کریں۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ ایک دو دن اس پر پوری طرح سوچ بچار کے بعد ٹھیک طرح ذہنی طور پر تیار ہو کر آئیں گے۔

دریں اثنا میں نے اس معاملے پر دوبارہ غور کیا ہے اور ایک ڈرافٹ تیار کیا ہے جس کو اپنا سٹینڈ ترک کئے بغیر اس طرح ترتیب دیا ہے کہ شیخ صاحب اسے تسلیم کریں گے۔ شام کو میں نے مسودہ کمیٹی کے ساتھ اس ڈرافٹ پر تبادلہ خیال کیا۔ کمیٹی نے جن دو تین ترامیم کی تجویز پیش کی ہے۔ ان کو اس میں درج کیا گیا ہے۔ میں ڈرافٹ اور وہ چٹھی آپ کو ارسال کر رہا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ اسے منظور فرمائیں گے۔

آپ کا :

این۔ گوپالاسوامی آہنگر

نئی دہلی ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۹ء۔

گوپالاسوامی آئینگر کے اس خط کا جواب سردار پٹیل نے مندرجہ ذیل چٹھی میں دیا:

پیارے گوپالاسوامی آہنگر

آپ نے مجھے ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو جو مکتوب لکھا۔ اس کے لئے میرا شکریہ قبول کیجئے۔ آپ کی چٹھی آئین ساز اسمبلی سے واپس آتے ہوئے مجھے ملی۔

میں سمجھ گیا ہوں کہ ابتدائی ڈرافٹ میں کچھ بڑی تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ خاص کر ہمیٹ پالیسی سے متعلق بنیادی حقوق اور ہدایتی اصولوں کے ریاست (جموں وکشمیر) پر اطلاق سے متعلق معاملات میں آپ خود اس بے ربطگی کو سمجھ سکتے ہیں کہ ایک طرف ریاست ہندوستان کا حصّہ بنتی ہے اور دوسری طرف ان پر اویژنوں کو تسلیم نہیں کیا جا رہا ہے۔ میں اس سارے انتظام میں کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت نہیں سمجھتا

خاص کر اس وقت جب پارٹی نے شیخ صاحب کی موجودگی میں اسے منظور کیا ہے۔ جب بھی شیخ صاحب کسی بات سے مکرجانا چاہتے ہیں تو وہ عوام کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہیں اور ہم سے ٹکر لیتے ہیں شیخ صاحب شاید ہندوستان یا ہندوستانی حکومت کی طرف کوئی ذمہ داری نہیں سمجھتے۔ وہ ذاتی طور پر آپ اور وزیر اعظم کے تئیں بھی کوئی ذمہ داری نہیں سمجھتے۔ جنھوں نے ان کو بنانے میں کافی کام کیا ہے۔ ان حالات میں میری منظوری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اگر آپ اسے درست سمجھتے ہیں تو آپ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

آپ کا :

سردار ولبھ بھائی پٹیل

۱۷ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو شیخ عبداللہ نے گوپالاسوامی آئینگر کو ایک مفصل خط بھیجا۔ خط کا متن حسب ذیل ہے :-

ڈیر گوپالاسوامی آئینگر !

آئین ساز اسمبلی میں آج جو واقعات پیش آئے ان سے میں اور میرے تین ساتھی جو آئین ساز اسمبلی میں کشمیر کی نمائندگی کرتے ہیں مضطرب[1] ہو گئے ہیں۔

۱۲ اکتوبر ۱۹۴۹ء کی چٹھی میں میں نے بتایا تھا کہ آپ نے آرٹیکل ۳۰۶/A کا جو مسودہ بیگ صاحب کو پیش کیا ہے۔ وہ ہمارے لئے قابلِ قبول نہیں۔ اس مسودہ سے وہ وعدے پورے نہیں ہوتے جو پنڈت جواہر لال نہرو نے حکومتِ ہند کی جانب سے ہمارے ساتھ کئے ہیں۔ یہ اسٹینڈ کے بھی خلاف ہے جو نیشنل کانفرنس نے اس معاملہ میں ابتدا سے اختیار کیا ہے اور جس کی پنڈت جی اور سردار پٹیل نے عوامی جلسوں

---

[1] ہند کی آئین ساز اسمبلی میں کشمیری وفد کے ترمیم شدہ مسودہ کو زیر بحث لانے کے قابل بھی نہیں سمجھا گیا۔

ہیں منظوری دی ہے۔ اسی باعث ہم نے ایک متبادل ڈرافٹ پیش کیا جس میں پارلیمنٹ کے قانون بنانے کے اختیارات کو ان تین معاملات تک محدود کر دیا گیا ہے جو دستاویز الحاق میں درج ہیں اور جس کے متعلق پنڈت جی نے ہمیں یقین دہانیاں کی ہیں۔ اس کے بعد میرے نمائندوں نے کئی بار اس پوزیشن پر آپ کے ساتھ بحث کی۔ ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو مجھے آپ کی طرف سے دوسرا ڈرافٹ ایک چٹھی کے ساتھ مل گیا۔

۱۶ اکتوبر کو میں نے آپ کی چٹھی کا جواب دیا۔ جس میں، میں نے صاف الفاظ میں کہا کہ ہم آپ کے ترمیم شدہ ڈرافٹ کو قبول نہیں کر سکتے۔ آپ کے نقطۂ نظر کا زیادہ سے زیادہ حد تک خیال رکھ کر ہم نے ایک اور ڈرافٹ آپ کو ارسال کیا۔ جس میں ہم اُن حدود سے کچھ آگے بڑھے جن پر ہم نے الحاق کیا تھا۔ اس چٹھی میں، میں نے آپ پر واضح کیا کہ میں اسے آگے جانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اس لئے آپ سے التماس ہے کہ آپ ڈرافٹ کو منظور کر لیں۔ آپ نے اس کے بعد میرے نمائندوں کے ساتھ مزید گفتگو کی اور ان کے ساتھ تبادلۂ خیال کر کے نیا ڈرافٹ تیار کیا جو میرے پاس بھیجا گیا۔ کل دوپہر کے بعد ڈرافٹ کو آخری شکل دی گئی۔ آپ کی اس یقین دہانی کے بعد کہ ڈرافٹنگ کمیٹی آئین ساز اسمبلی میں ترمیم شدہ ڈرافٹ پیش کرے گی، مسٹر بیگ نے اپنی وہ ترمیم واپس لے لی جس کا نوٹس اُنھوں نے اسمبلی کے سیکرٹری کو دیا تھا۔ میں نے اس کے بعد آپ کو ایک چٹھی لکھی اور آپ کی ان کوششوں کے لئے شکریہ ادا کیا جو اس ضمن میں آپ نے کی تھیں۔ میں نے آپ کو لکھا کہ بیگ صاحب نے آئین ساز اسمبلی سیکرٹری کو ایک چٹھی بھی دی ہے جس میں انھوں نے کہا ہے کہ وہ اپنی ترمیم واپس لے رہے ہیں۔

آج صبح وہ مسودہ جس کی آخری شکل دی گئی تھی اور جو ترمیموں کی فہرست میں اسمبلی کے سیکرٹری نے درج کیا تھا۔ جب اسمبلی کے سامنے آنے والا تھا۔ تو آپ اور مولانا آزاد میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ آپ آرٹیکل

۳۰۶/A کے کلاز کے ذیلی کلاز (بی) کی توضیح میں کوئی بڑی تبدیلی تسلیم کریں گے۔ اس توضیح میں مجوزہ ترمیم پر غور کرنے کے بعد میں اور میرے ساتھیوں نے آپ کو لابی میں بتایا کہ ہمارے لئے مسودہ میں اس قسم کی ترمیم قبول کرنا ممکن نہیں۔ اس کے بعد آپ اور مولانا صاحب چلے گئے جس وقت ہم لابی میں اس معاملے پر غور کر رہے تھے آپ نے اسمبلی میں مسودہ پیش کیا۔ جب اس مسودہ پر آپ کی نصف تقریر ختم ہو چکی تھی۔ کسی نے ہمیں بتایا کہ اسمبلی میں ڈرافٹ پیش کیا گیا ہے۔ ہم اسمبلی ہال میں اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ ہمیں یہ خیال تھا کہ آپ نے اسمبلی میں آرٹیکل کا وہ مسودہ پیش کیا ہے جس کی آخری شکل دی گئی تھی جب ڈرافٹ منظور ہوا تو ہم نے بحث میں حصہ نہیں لیا۔ جب آپ اور مولانا آزاد میرے پاس لابی میں آئے اور اس معاملہ پر بات چیت کرنا چاہی۔ میں نے واضح طور پر کہا کہ اگر ڈرافٹ میں کوئی تبدیلی کی گئی تو ہم اسمبلی میں کوئی بھی ترمیم پیش کرنے میں آزاد ہونگے۔ بیگ صاحب نے پہلے ہی ترمیم کا نوٹس دیا تھا۔ یہ ترمیم آپ کی زبانی یقین دہانی کے بعد واپس لی گئی تھی۔ ان حالات میں ہمیں ترمیم پیش کرنے کا اور ہاؤس میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے کا موقع نہیں ملا۔

جیسا کہ میں نے پہلے ہی کہا ہے مجھے اور میرے ساتھیوں کو اس بات سے سخت دُکھ ہوا ہے۔ اس معاملے پر پوری طرح غور کرنے کے بعد اور میرے ساتھی اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ معاملہ کو یہاں پر ہی رہنے نہ دیا جائے میں چاہتا ہوں کہ کوئی ناخوشگوار صورتحال پیدا نہ ہو جائے، میں آپ سے یہ التماس کروں گا کہ آپ دیکھیں کہ کیا اب بھی اس پوزیشن کو ٹھیک کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایک مناسب وقت تک مجھے آپ کا جواب نہ مل سکا تو ہم آئین ساز اسمبلی سے مستعفی ہو جانے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

شیخ صاحب کی طرف سے آئین ساز اسمبلی سے مستعفی ہونے کی چٹھی موصول ہونے کے بعد گوپالا سوامی آئینگر نے شیخ صاحب کو اپنی طرف سے مطمئن کرنے کی کوشش کی، لیکن سردار پٹیل شیخ صاحب کے مستعفی ہونے کے انتظار میں رہے۔

دراصل سردار پٹیل جانتے تھے۔ شیخ صاحب کتنے پانی میں ہیں۔ اس لئے اُنھوں نے ان کا ترمیم شدہ مسودہ ردی کی ٹوکری میں ڈال کر وہی مسودہ اسمبلی میں پیش کرایا جو ابتدا میں ڈرافٹ کیا تھا۔ سردار پٹیل نے شیخ صاحب اور اُن کے دیگر ساتھیوں کو اس معاملے میں بے وقعت کیوں بنا دیا؟ اور اُنھوں نے شیخ صاحب کے مستعفی ہونے کی کیوں کوئی پرواہ نہیں کی؟ اس لئے کہ شیخ عبداللہ نے پہلے ہی اُن کے سامنے تمام ہتھیار ڈال کر جن حالات میں ریاست کے وزیر اعظم کا عہدہ ان سے حاصل کر لیا تھا۔ سردار پٹیل ان حالات سے روشناس تھے۔



(سردار پٹیل)

دراصل سردار پٹیل کشمیر کو خصوصی پوزیشن دینے کے ہی خلاف تھے۔ دفعہ ۳۷۰ آئینِ ہند میں شامل کرنے کی وجہ سے سردار پٹیل اور پنڈت نہرو کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔

آرٹیکل ۳۷۰ کے مطابق مرکز اور ریاست کے درمیان تعلقات وضع کئے گئے اس آرٹیکل کے کلاز ب (۱) کے تحت پارلیمنٹ کو ریاست جموں وکشمیر کے لئے قانون بنانے کے جو اختیار دیئے گئے وہ مندرجہ ذیل امور تک محدود ہیں:

(۱) یونین لسٹ اور کنکرنٹ لسٹ میں شامل وہ معاملات جن کو ریاست کی حکومت کے مشورہ کے بعد پریزیڈنٹ اعلان کرے کہ یہ دستاویز الحاق جس کے ذریعے ہندوستان کے ساتھ الحاق طے ہوا ہے کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں اور یہی وہ معاملات ہیں جن کے بارے میں ہند پارلیمنٹ ریاست کے لئے قانون بنا سکتی ہے۔

(۲) مندرجہ بالا لسٹوں میں وہ معاملات جن کی صدر جمہوریہ ریاستی سرکار کے ساتھ مشورہ کے بعد ایک فرمان کے ذریعے نشاندہی کریں۔

دفعہ ۳۷۰ کے تحت ہی اس بات پہ اتفاق کیا گیا کہ ریاست جموں و کشمیر کے لئے ایک آئین ساز اسمبلی منتخب کی جائے گی جو طے کرے گی کہ

ہند آئین کی کونسی دفعات ریاست جموں وکشمیر پر لاگو کی جا سکے گی اور ان دفعات کو ترمیم کر کے یا ترمیم کے بغیر کس طرح ریاست پر حاوی کیا جائے گا ان معاملات پر کشمیر کے نمائندوں کے ساتھ جو گفت شنید ہوئی اس کو دہلی اگریمنٹ میں درج کیا گیا۔

فروری ۱۹۸۱ء میں شیخ عبداللہ نے اس عمارت کی ایک ایک اینٹ اُکھاڑ پھینکنے کا خود مظاہرہ کیا۔

"معاہدہ دہلی" جس کے تحت ہندوستان کے آئین میں دفعہ ۳۷۰ کا اضافہ ہوا۔ اس کے بارے میں کشمیر کے ایک نوجوان قلمکار محمد فاروق رحمانی نے اپنی کتاب "آزادی کی تلاش" میں لکھا ہے۔

"معاہدہ دہلی کتنا بھی خوبصورت بنا کر پیش کیا گیا ہو اُس عظیم اور منصانہ جدوجہد کے مقابلے میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہے جس کی تائید وحمایت اور حصول کے لئے بہادر اقوام اپنی مٹی اور پانی کو لہو سے رنگین کر چکی ہے اور انجمن اقوام متحدہ کی تاریخ کے صفحات گواہ ہیں.....

معاہدہ دہلی پر دستخط ہو جانے کے بعد طرفین نے اطمینان کا سانس لیا، نئی دہلی نے اس لئے کہ وہ کشمیر کے بین الاقوامی سوال کو اپنا گھریلو سوال بنانے کی کوششوں کا ایک مرحلہ جیت لیا اور شیخ عبداللہ نے اس وجہ سے کہ اب مرکز اس کے ساتھ آسانی سے چھیڑ چھاڑ نہیں کر سکے گی اور اس کی حیثیت تمام ریاستوں میں ایک ممتاز حکمران کی جیسی ہوگی لیکن بعد میں جو واقعات سامنے آگئے ان سے ثابت ہو گیا کہ دستورِ ہند میں وزیر اعظم نہرو نے سب کچھ اس لئے مان لیا تھا کہ وہ اپنے حلیف شیخ محمد عبداللہ پر ایک لمبے وقت تک اپنا نفسیاتی اثر ڈالنا چاہتے تھے اور کشمیر کو معاہدات کے لفظی گورکھ دھندے میں پھنسا کر اپنے بنیادی نصب العین سے دور لیجانا چاہتے تھے۔ علاوہ ازیں یہ معاہدہ اس قدر غیر فطری تھا اور اس نے کشمیری عوام اور انجمن اقوام متحدہ کو اسقدر ٹھیس پہنچائی کہ بھارت اپنے اس فعل کو چھپانے کی خاطر اور اس کو مستقل

اور پائیدار بنانے کے لئے پہلے پہل تو رائے شماری کرانے کا وعدہ دُھراتا رہا اور بعد میں اس وعدے سے انحراف کرنے کے عزائم کو چھپانے کی خاطر معاہدہ دہلی دریافت کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔"

معاہدہ دہلی پر نظر ڈالی جائے تو صاف پتہ چلتا ہے مرکزی سرکار نے شیخ محمد عبداللہ کے اُڑنے کے پَر اتنے کتر لئے کہ وہ اب اپنی مرضی سے اُڑ نہیں سکتے۔ جب سرینگر آکر انھیں اس کا احساس ہو چلا تو وہ سخت تذبذب میں مبتلا ہو گئے۔

دہلی میں جس سونے کی زنجیر میں انھیں باندھا گیا وہ قیمتی ضرور تھی لیکن تھی تو زنجیر ہی۔ چنانچہ جب انھوں نے اسے توڑنے کی کوشش کی تو یہ زنجیر اتنی مضبوط ثابت ہوئی کہ زنجیر پہننے والے خود ٹوٹنے لگے۔

شیخ عبداللہ اپنی کتاب "آتشِ چنار" میں اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ دفعہ ۳۷۰ کی تشکیل کے وقت مرکز کے رہنماؤں کے ساتھ ہمارے جو مذاکرات ہوئے ان میں بیگ صاحب نے جو ایک ماہر قانون کی حیثیت سے میرے نزدیکی مشیر تھے، یہ تاثر قایم کیا کہ مرکز کے ساتھ ہماری دال سیدھی گلنے والی نہیں۔ وہ آگے لکھتے ہیں:

"مرکزی لیڈروں کے دلوں میں گرہیں اور اُن کے دماغوں میں اتنے تحفظات موجود ہیں۔ وہ زبان سے چاہے کچھ ہی کیوں نہ کہیں دل سے وہ یہی چاہتے ہیں کہ کشمیر کو باقی ریاستوں کی سطح پر لے آئیں اور اسے انہی پیمانوں سے ناپیں، ان رہنماؤں کا فطری میلان یہی ہے کہ ریاست کی انفرادیت کو ختم کر دیا جائے۔ یہ صرف ہمارے اندیشے نہیں تھے بلکہ گوپالا سوامی آہنگر نے دفعہ ۳۷۰ سے متعلق تجویز پیش کرتے ہوئے اس بارے میں ہندوستان کے ارادوں کی غمازی کی تھی۔"

دفعہ ۳۷۰ سے متعلق بھارتی رہنماؤں کے بارے میں اس قسم کی شکایت کر کے شیخ محمد عبداللہ اپنے آپ کو ایسا لاچار، بے بس اور مجبور ظاہر کر چکے ہیں۔ گویا وہ ریاست کے پچاس لاکھ لوگوں کے امانت دار نہیں بلکہ خیانت دار تھے۔ انھوں نے ریاستی اسمبلی سے مستعفی ہونے کی جو دھمکی دی تھی۔ سرینگر آکر آپ نے اُس کا ذکر تک نہ کیا۔

ایک طرف وہ بھارتی رہنماؤں کی دورُخی پالیسی کو واضح کر رہے ہیں۔ دوسری طرف اس بارے میں اپنی بدنیتی کو بھی اُجاگر کر رہے ہیں۔ عقل و شعور اور ضمیر سے عاری شخص بھی شیخ صاحب اور بیگ صاحب سے یہ پوچھنے کا حق رکھتا ہے کہ مرکزی رہنماؤں کے پاس آپ کی وہ کونسی کمزوری تھی جس کی وجہ سے آپ دونوں اُن کے ہر کاغذ پر بغیر سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے پنجہ لگانے کے لئے مجبور ہوتے تھے۔ دفعہ ۳۷۰ کے بارے میں مرکزی رہنماؤں کی نیت پر شک کرنے کا کونسا اخلاقی جواز ہے جبکہ خود آپ اس سلسلے میں انتہا درجے کی بے بسی اور لاچاری ظاہر کر رہے ہیں۔

اگر آپ واقعی کسی کارن بے بس، لاچار اور مجبور ہیں تو آپ کو کڑوا گھونٹ حلق سے اُتارنا ہے۔ پیالہ بخوشی ہاتھ میں لے کر اور اُسے ہونٹوں سے لگا کر ایک ایک گھونٹ پی کر اگر آپ اس کی تلخی بیان کریں گے جبکہ آپ جانتے ہیں اس پیالہ میں کیا ہے تو اس سے کیا ہوگا اور کس کو کیا ملے گا؟

ایک طرف آپ مرکزی لیڈروں کی نیت پر شک کا اظہار کر کے دوسری طرف عوام کے سامنے اپنے آپ کو معصوم ثابت کر رہے ہیں۔

آپ دفعہ ۳۷۰ کے بارے میں بھارتی رہنماؤں کی نیت پر شک کا اظہار کر رہے ہیں۔ جبکہ اس بارے میں آپ کی بھی نیت صاف نہیں۔ یہ آپ ہی ہیں جس نے دفعہ ۳۷۰ کی عمارت کی پہلی اینٹ اُکھاڑ پھینکی ہے۔ جبکہ آپ نے اس دفعہ کی موجودگی میں مرکزی سرکار کو وادی میں انٹلی جنس محکمہ کھولنے کی اجازت دے دی۔ شیخ صاحب نے اپنی اس غلطی کا خود اعتراف کیا ہے اور "آتشِ چنار" میں لکھا ہے:۔

"آئینی لحاظ سے ہم پر اس بات کی کوئی پابندی نہیں تھی کہ ہم سینٹرل انٹلی جنس کو ریاست میں کام کرنے دیں ..... میں نے سردار پٹیل سے کہا ہے کہ الحاق کی وضع داری اور رواداری COUS TREY کی بنا پر ہم نے اس دفتر کو یہاں کام کرنے کی اجازت بخشی تھی..."

آپ کی وضعداری اور رواداری نے اگر دفعہ ۳۷۰ کی عمارت کی پہلی اینٹ اُکھاڑ پھینکنے کی اجازت دی تو ایک کے بعد دوسری اینٹیں اُکھاڑنے والے آپ کی نظر میں موردِ الزام کیوں ــــ؟ کیا اس قسم کی غلطیاں کرنے کے حقوق آپ نے

اپنے لئے محفوظ کر لئے تھے ۔؟

آپ آگے جا کر لکھتے ہیں :

" جب ہمیں محسوس ہونے لگا۔ یہ محکمہ مرکز اور ہمارے درمیان تعلقات کو مضبوط بنانے کے بجائے تلخی پیدا کرنے پر تُلا ہوا ہے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کا ریاست میں وجود فائدہ مند ہونے کے بجائے مضر رساں ثابت ہوگا ۔ سردار پٹیل بڑے ملال کے ساتھ بولے کہ میں نے جواہر لال سے کہا تھا کہ ہم نے کشمیر میں ایک جوا کھیلا ہے جس میں ہمیں مات ہوگئی ہے۔ اس لئے ہمیں کشمیر چھوڑ دینا چاہئے۔ لیکن جواہر لال ہیں کہ کسی کی سنتے ہی نہیں۔ میں نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہم نے ہندوستان کے عوام کے ساتھ رشتہ جوڑا ہے۔ چند افراد کے ساتھ نہیں اور اس رشتے کی بنیاد بھی خیالات اور آدرش کی ہم آہنگی اور یکسانیت ہے کوئی مالی یا مادی فائدہ نہیں ہے۔ اگر آپ کو کشمیر کے ساتھ الحاق پسند نہیں اور آپ اپنے پیمانے سے پھرنا چاہتے ہیں تو آپ کو سارے واقعات ہندوستان کے عوام کے سامنے رکھنے چاہئیں۔ ہم بھی اپنا کیس ان کے سامنے پیش کریں گے۔ اُس کے بعد اگر وہ ہمارے ہاتھ میں ہاتھ دینا پسند نہیں کریں گے تو ہم اپنا راستہ لیں گے اور آپ اپنا ..... ! "

اپنی طرف سے یہ دلیل دینے کے بعد اور بھارتی رہنماؤں کے ساتھ لاکھ اختلافات کے باوجود نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ یہ کہنے کا کوئی حق نہیں رکھتی ہے کہ بھارت نے کشمیر پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔ اُنھیں آزادی اور حق خود ارادیت کا نام زبان پر لانے کا اختیار بھی نہیں۔ رائے شماری کے بارے میں چیخنے چلانے کا اُن کے پاس کوئی جواز نہیں۔

پورے ۲۲ برسوں تک انھوں نے بھارتی لیڈروں پر کشمیریوں کے حقوق غصب کرنے کے جو الزامات لگائے وہ سب بے بنیاد بن گئے۔ حقیقت میں، ان سب الزامات کے وہ خود ذمہ دار تھے۔

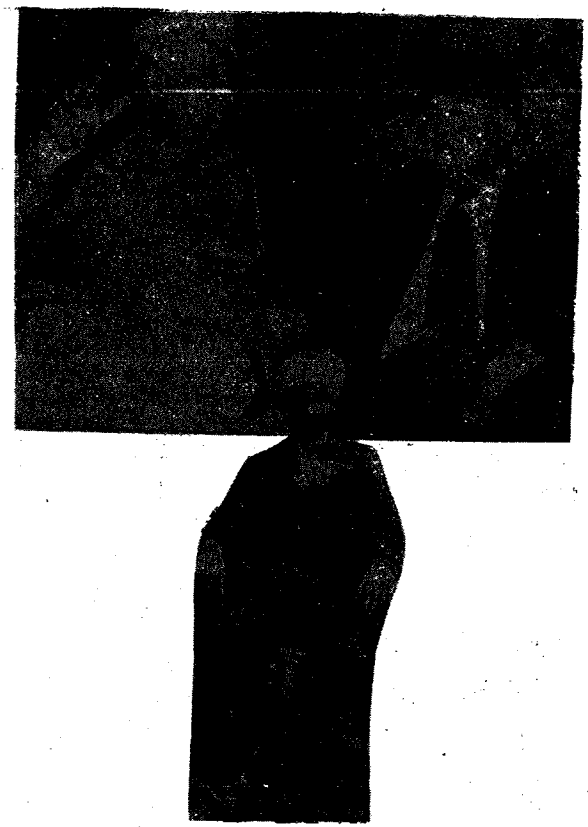
سردار پٹیل شیخ صاحب سے کہہ رہا ہے ہم نے کشمیر کے بارے میں ایک جوا کھیلا تھا جس میں ہماری ہار ہوگئی۔ لہٰذا ہمیں کشمیر چھوڑ دینا چاہئے۔ اب تمھاری مرضی ہے کہ تم اس کا کیا کروگے اور کس کے ساتھ رہوگے ؟

شیخ صاحب اس کیس کو بھارت کے عوام کے پاس لے کر دراصل یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہم نے بھارت کے ساتھ جو الحاق کیا ہے وہ کوئی گڑیا گڈے کا کھیل نہیں جس کو جب چاہا توڑ دیا جائے گا۔ شیخ صاحب بھارتی عوام کے پاس اپنا کیس لیکر بھارت کے رہنماؤں کو اسی طرح فیصلے سے ٹالنا چاہتے تھے۔ جس طرح انھوں نے سلامتی کونسل کو رائے شماری کرانے سے ٹالا تھا اور مختلف بہانوں سے اُن کا وقت ضائع کر دیا تھا۔

اَب اسی طرح بھارتی رہنماؤں کے بجائے بھارتی عوام کے پاس اپنا کیس انھیں بہت دنوں تک "کشمیر چھوڑ دینے" سے روکنے کے اُلجھاؤ میں رکھنا چاہتا تھا۔

چوں کہ اُنھوں نے بھارت کے ساتھ الحاق کیا تھا اور اس الحاق کو وہ کسی بھی صورت میں توڑنا نہیں چاہتے تھے۔ لہٰذا مرکزی لیڈروں کی کسی بھی دلیل پر وہ ایسا کوئی قدم اُٹھانا نہیں چاہتے تھے جس سے باہمی رشتے ٹوٹ جائیں۔

دہلی اگریمنٹ کے وقت یہی نظریہ اُن کا دفعہ ۳۷۰ کے بارے میں بھی تھا۔ ورنہ وہ اس وقت سخت احتجاج کرتے جب دفعہ لاگو کرنے کے موقع پر بھارتی ترجمان نے واضح کر دیا کہ دفعہ ۳۷۰ کو وقت کے ساتھ ساتھ کمزور کر دیا جائے گا اور ریاست جموں وکشمیر کو دوسری ریاستوں کی سطح پر لایا جائے گا۔ اِس دفعہ کو کھوکھلا کرنے کے بارے میں شیخ عبداللہ نے واویلا ضرور کیا۔ لیکن تب جب وہ اقتدار سے محروم تھے !



مرزا محمد افضل بیگ اور شیخ محمد عبداللہ خواجہ غلام احمد عشائی کی اس شکایت پر شاید غور کر رہے ہیں کہ اگر ہم "ریاست کو خود مختاری" کی بات چیت کرنے دہلی گئے تھے تو وہاں سے "دہلی ایگریمنٹ" لے کر کیوں آ گئے ۔ ؟

ذہن شرکت کر نہ پایا پتھروں کے نقش میں
خاک پر لکھتا رہا اپنے لہو کا رزمیہ

"معاہدہ دہلی" کے بعد
مرکز اور ریاست کے تعلقات میں رخنہ

معاہدہ دہلی کے بعد جب لیڈران قوم واپس سرینگر آ گئے تو وہ سخت ملول تھے ۔ سردار پٹیل نے ترمیم شدہ مسودہ اسمبلی میں پیش کرنے کے بجائے اپنی مرضی کا مسودہ پیش کر کے انھیں بے وقعت کر دیا تھا ۔ شیخ صاحب نے اس کاروائی کے خلاف وزارتِ اعظمیٰ کے عہدے سے مستعفی ہونے کی جو دھمکی دی تھی ۔ سرینگر آ کر وہ اس کے بارے میں سخت تذبذب میں دیکھے گئے ۔ دہلی سے واپسی پر سب سے پہلے بی ۔ پی ۔ ایل ۔ بیدی ، غلام احمد عشائی اور غلام محمد حکین اُن سے ملے ، اس وقت شیخ صاحب اپنی کوٹھی پر مرزا افضل بیگ کے ساتھ اس بات پر تبادلۂ خیالات کر رہے تھے کہ ہم دہلی سے جیت کر آئے ہیں یا ہار کر ؟ بقول غلام محمد حکین ۔

غلام احمد عشائی نے شیخ صاحب سے پوچھا ۔

"دہلی اگریمنٹ سے کشمیر کی خود مختاری لگ بھگ ختم ہو گئی ۔ ایسا کیوں کیا گیا ؟"

بی ۔ پی ۔ ایل ۔ بیدی نے کہا ۔

"ریاست کی خود مختاری پر آج تک جو کام ہوا تھا وہ سب ضائع ہو گیا ۔"

شیخ صاحب نے جواب دیا :

"میں بیگ صاحب سے یہی پوچھ رہا ہوں ہم نے جو کچھ کیا غلط تو نہیں کیا ؟"

بیگ صاحب نے اپنی صفائی میں کہا :

"دراصل ہم یہاں سے کوئی فیصلہ لے کر نہیں گئے تھے کہ ہمیں دہلی جا کر کیا کرنا اور کیا کہنا ہے ۔ اگر ہم نے کوئی بات طے کر لی ہوتی تو اسی بات پر زور دیا جا سکتا ۔"

عشائی صاحب نے پوچھا۔

"ہمارا خیال تھا آپ خود مختاری پر زور دیں گے کیونکہ یہ بات طے ہو چکی تھی"

بیگ صاحب نے جواب دیا۔

"مگر شیخ صاحب نے مجھ سے اس بارے میں کچھ نہیں کہا، اگر یہ مجھے بتا دیتے کہ خود مختاری کی بات طے ہو چکی ہے تو ہم اپنا یہی نقطہ نگاہ اُن کے سامنے رکھتے۔ حالانکہ ہم بڑی مشکلوں سے کشمیر کے لئے خصوصی پوزیشن حاصل کر سکے۔"

اِس گفتگو سے صاف ظاہر ہے کہ ریاستی عوام کے حصّے میں جو لیڈر شپ آئی اور جن پر یہاں کے لوگ بھروسہ کے ساتھ اعتبار کئے ہوئے تھے۔ اُن کی سوچ اور اپروچ کیا تھی۔ ان کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ کدھر جا رہے ہیں اور کیا کرنے جا رہے ہیں ــــ ؟

دہلی اگریمنٹ نے نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ کو سخت پریشان کر دیا۔ باہر تو اُنھوں نے اِس بات کا خوب ڈھول پیٹا کہ ہم کشمیر کو خصوصی درجہ دلانے میں کامیاب ہوئے مگر اندرونی طور پر پارٹی میں زبردست انتشار پیدا ہو گیا۔

وہ لوگ جو اُن کے ساتھ خود مختار کشمیر پر کام کر رہے تھے۔ سخت بے دِل اور مایوس ہو گئے۔ بعض بیرونی عناصر کنارہ کش ہو گئے۔ البتہ بعض احباب اب بھی ہمت نہ ہارے۔ اُنھوں نے شیخ محمد عبداللہ کو خبردار کیا۔

۲۵ جولائی ۱۹۵۲ء کو نیویارک ہیرلڈ ٹریبون نے اس بارے میں لکھا:۔

"..... یہ کاروائی اقوام متحدہ کی اُن اَن تھک کوششوں کی راہ میں نئی اور شدید رکاوٹیں پیدا کرے گی جو وہ کشمیر میں ایسے حالات پیدا کرنے کے لئے کر رہی ہے جن میں اِس کے باشندوں سے منصفانہ رائے عامہ دریافت کی جانی ممکن ہو!"

۲۶ جولائی کو نیویارک ٹائمز نے اپنے ایک مراسلے میں لکھا:۔

"شیخ محمد عبداللہ نے معاہدہ دہلی سے عملی طور پر فائدہ اُٹھاتے ہوئے صدر ریاست کا انتخاب کروایا۔ مہاراجہ نے اپنے تمام اختیارات یوراج کرن سنگھ کو بحیثیت ایجنٹ کے منتقل کئے تھے۔ وہ اختیارات

شری کرن سنگھ کو منتخب شدہ صدر ریاست کی حیثیت سے حاصل ہو گئے تھے۔ اب دہلی اگریمنٹ سے اُسے پرائم منسٹر کی تقرری کا صریح اختیار اور معنوی اعتبار سے برطرف کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا۔"

اِس مراسلہ کی اشاعت سے شیخ عبداللہ کے پاؤں تلے گویا زمین نکل گئی۔ ان کو اب پتہ چلا کہ مرکزی رہنماؤں نے ہمیں کس جال میں پھنسا دیا ہے۔ شیخ عبداللہ کی پریشانیوں کو تاڑ کر ان کے لئے ایک ڈیڈ لائن تیار کی گئی تاکہ وہ اس کی روشنی میں اپنا آئندہ لائحہ عمل متعین کر سکیں۔

۱۹ دسمبر ۱۹۵۲ء کو گارڈن گراہم نے کرسچن سائنس مانیٹر میں ایک مراسلہ شائع کرایا۔

"ہندوستان کے ساتھ دوستی (اگریمنٹ) کے باوجود شیخ عبداللہ کی وفاداری سب سے پہلے کشمیر کے ساتھ ہے اس کے اور اس کے ہم وطنوں کا یہ پکا خیال ہے کہ کشمیر کوئی ایسی بھولی بھٹکی ریاست نہیں جو کسی قوم کے دامن کے ساتھ چمٹنا چاہتی ہے بلکہ ایک ایسی قوم ہے جسے اپنی ہستی کا سراغ مل رہا ہے۔ چونکہ کشمیر کے شمال میں سوویت رُوس اور تبت واقع ہے۔ اس لئے شیخ عبداللہ کے نقطہ نظر کے مطابق کشمیر کو مستقبل میں کسی ملک کے ساتھ الحاق نہیں کرنا چاہئے بلکہ بڑی طاقتوں کی کسی ایک صف میں ایسی شرائط کے ساتھ شامل ہونا چاہئے جن سے اُسے زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل ہو اور اس آزادی کی حفاظت کا بندوبست ہو، شاید وہ یہ خواب دیکھ رہا ہے کہ ایک دن کشمیر مشرق کا سوئیزرلینڈ بنے گا۔ سوئیزرلینڈ کے ساتھ کشمیر کی ظاہری مشابہت شک و شبہہ سے بالاتر ہے۔ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ کشمیر کی غیر جانبداری کی ضمانت اِرد گرد کے سبھی ممالک سے حاصل ہو، محصول، کسٹم اور دیگر مروجہ سرحدی دستور کے لحاظ سے کشمیر آج بھی ایک خود مختار ملک کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے باشندے اسے ہماری ریاست نہیں بلکہ ہمارا ملک کہتے ہیں۔"

اِس مراسلہ کے ذریعے شیخ محمد عبداللہ کو معاہدۂ دہلی کے ساتھ الحاق

کو توڑنے اور خود مختاری کا اعلان کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ اس کے بارے میں اُنھوں نے اپنے قریبی ساتھیوں سے صلاح مشورہ کیا۔

بخشی غلام محمد نے اپنی ڈائری میں اس بات کا انکشاف کیا ہے ــــ میں نے شیخ صاحب کو اپنے مقصد کے حصول کے لئے جمّوں کی پرجا پریشد ایجی ٹیشن کی آڑ لینے کا مشورہ دیا۔

معاہدہ دہلی کے ساتھ ہی ریاستی سرکار کو پرجا پریشد کے ایجی ٹیشن کا سامنا کرنا پڑا جو بھارت کے ساتھ ریاست کے مکمل ادغام کا مطالبہ منوانے کے لئے لٹھ لے کر سامنے آ گئے تھے۔ جمّوں میں ایجی ٹیشن شروع ہوتے ہی لدّاخ میں بھی سرینگر کی بالادستی کے خلاف احتجاج ہوا، لداخیوں نے براہِ راست مرکز کے کنٹرول میں جانے کا نعرہ بلند کیا۔

جمّوں اور لدّاخ کے ایجی ٹیشن نے وزیرِ اعظم کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اُنھوں نے کشمیر کی خود مختاری کا بیک ڈور استعمال کر کے بیان دیا:

"اگر جموں کی اکثریت چاہتی ہے تو اُنھیں حقِ خود اختیاری دی جائے گی جس میں ہندوستان کے ساتھ مدغم ہونے اور کشمیر سے علیٰحدہ ہونے کا حق بھی شامل ہوگا۔"

اس قسم کے بیان کا مقصد یہ تھا کہ جموں کے لیڈر کشمیر سے علیٰحدگی کا سُجھاؤ قبول کر لیں تاکہ کشمیر کے لئے بھی علیٰحدگی کا راستہ کھل سکے۔

مرکزی سرکار نے فوری طور پر مداخلت کر کے جمّوں والوں کو اس تجویز کو قبول کرنے سے روک دیا۔ اِس بارے میں جنوری ۱۹۵۳ء میں حیدر آباد کے اجلاس میں پنڈت جواہر لال نہرو نے فرمایا:

"یہ ایک ذلیل و مکروہ تحریک تھی جس کو اگر روکا نہ جاتا تو ریاست جموں و کشمیر کی علیٰحدگی کا باعث بنتی اور اقوامِ متحدہ کے سامنے ہندوستان کے دعوے کو بڑا نقصان پہنچاتی!"

مرکزی سرکار نے جمّوں کو علیٰحدہ کرنے کی شیخ عبد اللہ کی تجویز مسترد کی تو اُنھوں نے جموں ایجی ٹیشن کو اشتعال دلانے والے بیانات سے بھڑکانا شروع کیا۔

۲۰ مارچ ۱۹۵۲ء کو سرینگر میں ایک تقریب کے دوران آزاد کشمیر کے عوام سے
یل کی کہ وہ پاکستان سے الگ ہونے کے لئے تیاری کریں تاکہ آزادی کے لئے مشترکہ
دّ و جہد جاری کی جا سکے۔

اُنھوں نے ہندوستان کو فرقہ پرست کہہ کر کشمیر پر ہندوستانی آئین کی حیثیت
ں نافذ کرنے والوں کو خبردار کیا۔ اُن کے بیانات سے ہندوستان میں ایک کہرام سا
گیا۔ قبل اس کے کہ ان سے ایسے بیانات کی باز پُرس کی جاتی۔ اُنھوں نے جموں
سے سرینگر آ کر جو بیان دیا وہ اُن کی طرف سے معافی نامہ سے کچھ کم نہ تھا۔

"میں اس بات کو واضح کرنا چاہتا ہوں ہندوستان کے ساتھ الحاق کی اساس یہی ہے کہ ہماری پالیسی اور پروگرام ہندوستان کی پالیسی اور پروگرام کے مطابق ہے۔ "نیا کشمیر" اور پاکستان کبھی آپس میں نہیں مل سکتے، پاکستان تو استحصالی عناصر کی ایک جنت ہے ہماری اُن کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں یہ الحاق اور اتحاد کشمیر اور ہندوستان کے مابین ہرگز مصنوعی نہیں ہے۔ نہ کسی جذباتیت پر اس کا انحصار ہے۔ یہ خیالات کی ہم آہنگی اور سیکولر جمہوریت کا نصب العین ہے جو ہندوستانی عوام کے ساتھ دوستی کی عمارت کا بنیادی پتھر ہے۔"

شیخ عبد اللہ کے اس قسم کے بیان سے جہاں مرکزی سرکار کو یک گونہ خوشی ہوئی۔ وہاں نیشنل کانفرنس کی تنظیم ان کے اس بیان سے پھوٹ کا شکار ہو گئی۔ بخشی غلام محمد نے اِس قسم کے بیان پر سخت اعتراض کیا اور کہا:

"آپ نے ہمارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔"

اسی دوران پنڈت جواہر لال نہرو نے شیخ صاحب کو خفیہ طور پر ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی کو گرفتار کر۔ انے کا سجھاؤ دیا۔ چنانچہ شیاما پرشاد مکرجی کو گرفتار کر کے نشاط کے ایک بنگلے میں محبوس کیا گیا۔ شیخ صاحب نے اس پر "ٹائمز آف انڈیا" کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے پنڈت نہرو کے بارے میں فرمایا:

"..... ہم پنڈت نہرو کی ذات سے فیضان حاصل کرتے رہے ہیں

کیونکہ اُنھوں نے ہر مرحلے پر اور ہر قدم پر ہماری مدد اور ہماری حمایت کی اور ہماری تحریک آزادی کو زندگی بخشی، ظاہر ہے کہ پنڈت نہرو بذاتِ خود فقط ایک ذات نہیں بلکہ سیکولر آدرش اور حب الوطنی اور قومیت کی ایک علامت ہیں۔ ان سے فیضان حاصل کرنے کا مطلب ہی مشترکہ مقاصد کی وہ ہم آہنگی ہے جس نے زبردست کشمکش میں دونوں تنظیموں کانگریس اور نیشنل کانفرنس کو ایک ہار میں پرو دیا ہے۔ مسئلہ الحاق اسی ہم آہنگی اور اشتراک مقاصد کا لازمی اور منطقی نتیجہ تھا۔"


(پنڈت جواہر لال نہرو)

اس بیان نے مرکزی رہنماؤں کو جہاں ٹھنڈا کیا وہاں وہ ضرور سوچ رہے ہوں گے۔ شیخ عبداللہ کی کس بات اور کس بنیاد کو صحیح مان کر اس پر اعتبار کیا جائے؟ وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ کے متضاد بیانات سے نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی پھوٹ کا شکار ہوئی۔ اُنھوں نے ایک میٹنگ کے دوران شیخ صاحب کو آڑے ہاتھوں لیا تو اُنھوں نے جمّوں کی پرجا پریشد ایجی ٹیشن کو سختی سے کچلنے کی ہدایات جاری کیں، وزیر اعظم کی ان ہدایات کے جواب میں جمّوں کے لیڈروں نے واضح کر دیا:

"آئینِ ہند میں کشمیر کو جو خاص پوزیشن ہے وہ فسخ کی جائے۔ ریاست میں مکمل طور پر آئینِ ہند کا اطلاق کیا جائے۔ اگر یہ پوزیشن کشمیری مسلمانوں کو منظور نہیں تو وہ یہاں سے نکل کر پاکستان چلے جائیں۔"

اس طرح کے جوابی وار سے شیخ عبداللہ کے ہوش ٹھکانے آئے اور انھیں اپنی اوقات یاد آئی، اُنھوں نے جلتی پر تیل ڈالا تاکہ جمّوں ایجی ٹیشن نقطۂ عروج پر پہنچ کر کشمیر سے علیحدہ ہو سکے۔ اس کے لئے شیاما پرشاد مکرجی کی زندگی سے کھیلنے سے کوئی دریغ نہیں کیا گیا۔ بخشی غلام محمد نے اپنی ڈائری میں اس بات کا اعتراف کر لیا ہے کہ جمّوں ایجی ٹیشن کو بھڑکانے کے لئے شیاما پرشاد مکرجی کو قربانی کا بکرا

بنایا گیا۔ مگر مرکزی سرکار نے اس آگ پر پانی ڈال کر آگ کو ٹھنڈا کر دیا۔ دراصل "خود مختار کشمیر" کے لئے یہ اپروچ بالکل غلط تھا اور آزادی حاصل کرنے کے لئے ریاست کے ٹکڑے کرنا ذہنی پراگندگی کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا۔"

دہلی اگریمنٹ کے ساتھ الحاق کو توڑنے کے لئے شیخ محمد عبداللہ نے جمّوں کی پرجا پریشد ایجی ٹیشن میں جتنا تیل ڈالا اس سے کہیں زیادہ مرکزی سرکار نے اس میں پانی ڈال دیا۔ یہی وجہ ہے کہ شیاما پرشاد مکرجی کی موت کے اسباب جاننے کے باوجود بھی مرکزی سرکار نے انکوائری کرانے میں سرد مہری سے کام لیا۔


(شیاما پرشاد مکرجی)

جموں میں پرجا پریشد کے لیڈروں اور دوسرے لوگوں کو ایجی ٹیشن واپس لینے اور پُرامن رہنے کے لئے ہندوستان کے لیڈروں اور خود پنڈت جواہر لال کے آدمیوں نے جس انداز سے اور جن وعدوں پر اُن کی منت سماجت کی۔ اس سے مرکزی سرکار کی نیت کے بارے میں شبہات پیدا ہونے لگے۔

پرجا پریشد کے لیڈروں کو صاف طور پر کہا جانے لگا کہ کشمیر کو جو خصوصی درجہ دیا گیا ہے۔ اس کو وقت گزرنے کے ساتھ ختم کیا جائے گا۔

اس سلسلے میں بی۔ این۔ ملک (آئی۔ بی۔ آفیسر) نے اپنی کتاب (مائی ایرس وِد نہرو) میں اس بات کا اعتراف کیا ہے۔

"وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے مجھے ایک خاص مشن پر کشمیر روانہ کیا میرا پہلا کام یہ تھا کہ میں ان مرکزوں میں جاؤں جہاں پرجا پریشد کی ایجی ٹیشن کا زور تھا۔ وہاں مجھے پرجا پریشد کے لیڈروں کو ایجی ٹیشن ختم کرنے کے لئے یہ بتانے کی ہدایت کی گئی تھی کہ کشمیر پہلے ہی بھارت کا ایک ناقابلِ تنسیخ حصہ بن گیا ہے۔ اب مزید ادغام کی ضرورت نہیں جموں و کشمیر آئین ساز اسمبلی اس پوزیشن کو تسلیم کر رہی ہے۔ یہ معاملہ اب تک اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل میں زیرِ بحث ہے۔ اس لئے مزید

کچھ برسوں کے لئے کشمیر کی اس پوزیشن کو برقرار رکھنا ضروری ہے۔ یہ خصوصی پوزیشن بتدریج ختم ہوگی اور ریاست جموں وکشمیر بھی دوسری ریاستوں کی سطح پر آجائے گی۔ ان حالات میں جموں کے ہندوؤں کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ اپنی ایجی ٹیشن ختم کریں اور ادغام کے فطری عمل میں ان کا ساتھ دیں۔"

پنڈت نہرو کی طرف سے ریاست کی اٹانومی یعنی خصوصی پوزیشن ختم کرنے کی یقین دہانی پر ایجی ٹیشن واپس لینے کی جو اپیل پرجا پریشد سے کی گئی۔ اس سے شیخ عبداللہ کی پوزیشن مضحکہ خیز بن گئی۔ وہ اپنے قریبی ساتھیوں کی طرف سے ہدفِ ملامت بن گئے۔ بخشی غلام محمد، غلام محمد صادق، مرزا افضل بیگ، غلام احمد عشائی، غلام محمد جکن اور ایسے دوسرے احباب نے شیخ صاحب سے کہا کہ یہ موقع معاہدہ دہلی توڑنے کا ہے اور اس کا الزام بھی ہم پر نہیں آسکتا کیونکہ مرکزی سرکار کی طرف سے ریاست کی اٹانومی ختم کرنے کا اعلان ایک طرف سے معاہدہ دہلی ختم کرنے کے مترادف ہے لیکن شیخ صاحب پر گویا جوں تک نہیں رینگی۔ انھوں نے اس قسم کے بیان پر جب زبان پر حرفِ شکایت بھی نہیں لائے۔ تب ایک ایک کر کے اُن کے ساتھی اُن سے روٹھ گئے اور ان سے اس کا بدلہ لینے کے بارے میں سوچ بچار کرنے لگے۔

جب شیخ صاحب کو احساس ہوا کہ میرے بال و پر کٹنے لگے تو انھوں نے ۱۹ اپریل ۱۹۵۲ء کو رنبیر سنگھ پورہ میں تقریر کے دوران دل کی بھڑاس نکال دی۔ انھوں نے کہا:

"کوئی بھی شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ ہندوستان میں اب تک فرقہ وارانہ ذہنیت موجود ہے۔ کشمیر میں بہت سارے لوگ بجا طور پر یہ سوچ رہے ہیں کہ اگر پنڈت نہرو کا کچھ ہوا تو ان کا اور اُن کی پوزیشن کیا ہوگی؟"

شیخ عبداللہ کی اس تقریر کو ہندوستانی پریس نے خوب اچھالا، پرجا پریشد کے لیڈر شیخ صاحب کی اس تقریر کی آڑ میں اُن کے ارادوں کے بارے میں خدشات کا اظہار کرنے لگے۔ ہندوستان کے رجعت پسند اور فرقہ پرست اخبارات

پرجا پریشد کے کاز کی حمایت کرنے میں پیش پیش رہے۔

کانگریس کے ترجمان اخبار "ٹائمز آف انڈیا" نے اسی دوران ایک اداریہ تحریر کیا:-

"آئین ہند کی دفعہ ۳۷۰ کے تحت کشمیر اور ہندوستان کے درمیان جو بھی آئینی تعلقات ہوں۔ حکومتِ کشمیر کو کوئی فیصلہ کرتے وقت یہ سمجھنا چاہئے کہ ریاست ہندوستان کا ایک اٹوٹ حصّہ ہے اور ایسے فیصلے کے باقی ملک پر مرتب ہونے والے اثرات کا اندازہ کر کے ہی کوئی ایسا قدم اُٹھانا چاہئے۔"

صاف ظاہر ہے کہ حکومت کشمیر کے لئے یہ ڈیڈ لائن مقرر کی گئی کہ ریاستی عوام کے لئے کوئی فیصلہ کرنے سے قبل ہندوستانی عوام کا ردعمل دیکھنا چاہئے۔ اگر کسی فیصلے کو ہندوستانی عوام پسند نہ کریں یا ایسے کسی فیصلے سے ہندوستانی عوام یا کسی طبقے کے ناراض ہونے کا احتمال ہو تو ایسا فیصلہ نہیں کیا جانا چاہئے چاہے یہ فیصلہ ریاستی عوام کی فلاح و بہبود کے لئے مضمر کیوں نہ ہو؟

شیخ عبداللہ کی رنبیر سنگھ پورہ کی تقریر جس میں انھوں نے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ اگر پنڈت نہرو کو کچھ ہوا تو ہمارا کیا ہوگا؟ ان کی ڈھلمل پالیسی کا کھلم کھلا اظہار ہے۔ حالانکہ وہ بخوبی جانتے ہیں۔ جو کچھ کر رہے ہیں وہ پنڈت نہرو کر رہے ہیں۔ پنڈت نہرو کی ہدایت کے بغیر کشمیر میں پتّا بھی نہیں ہلتا ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے مسٹر بی۔ این۔ ملک کو جس مشن پر کشمیر روانہ کیا تھا اس سے کون واقف نہیں تھا۔ بخشی غلام محمد اور ڈی۔ پی۔ دھر نے بی۔ این۔ ملک کے مشن پر برملا ناراضگی کا اظہار کیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ شیخ صاحب نے بی۔ این۔ ملک کو قابلِ اعتنا نہ سمجھ کر پہلے پہل انھیں کوئی لفٹ نہیں دی۔

مسٹر بی۔ این۔ ملک کو شیخ صاحب کے اس رویے کے بارے میں پنڈت نہرو سے شکایت کرنا پڑی اور پنڈت نہرو نے شیخ عبداللہ کو جو سرٹیفکیٹ دے دیا اس سے اُن کے اب تک کے تمام کئے کرائے پر پانی پھر گیا۔

بقول بی۔ این۔ ملک پنڈت جواہر لال نہرو نے مجھ سے کہا:-

"یہ سب کچھ شیخ صاحب کے فرقہ وارانہ پس منظر کا نتیجہ ہے ۔ اگر شیخ صاحب نے سیاسی طور پر نیا باب کھولنے کی کوشش کی ہے ۔ لیکن وہ دل سے فرقہ واریت کو ختم نہیں کر چکے ہیں۔"

مرکزی سرکار نے بخشی غلام محمد، غلام محمد صادق، مرزا افضل بیگ کو اپنے اعتماد میں لینا شروع کیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ شیخ صاحب سے بدلہ لینے کی کاروائی میں جو مرزا محمد افضل بیگ بڑے سرگرم تھے۔ وہی اُن کے دائیں بازو بن گئے۔

مرکزی سرکار نے بعض یقین دہانیوں کے بعد جموں ایجی ٹیشن ختم کرا دیا تو شیخ عبداللہ اپنے مشن میں ناکام سے ہو گئے اور وہ مرکزی رہنماؤں کی ناراضگی دور کرنے کے لئے الحاق کے حتمی ہونے کی باتیں کرنے لگے۔ چنانچہ انھوں نے اسمبلی میں ایک بیان میں کہا۔

"ریاست کے لئے بہترین راستہ یہی ہوگا کہ وہ دستاویز الحاق کی بناء پر ہندوستان کے ساتھ الحاق کو حتمی کرے ....."

اِس طرح کا بیان دے کر اُنھوں نے اپنے اُن ارادوں کو اُجاگر کیا۔ جن ارادوں کے ساتھ اسمبلی کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اُنھوں نے دُنیا کو دھول جھونکنے کے لئے کہا تھا ــــ "اسمبلی کے ذریعے الحاق کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں لیا جائے گا۔"



(پنڈت نہرو اور شیخ محمد عبداللہ)

شیخ محمد عبداللہ اور پنڈت جواہر لال نہرو کے درمیان "مسئلہ کشمیر" پر بات چیت کے بعد ۱۹۴۷ء کا معاہدۂ الحاق ہوا یا ۱۹۵۲ء کا دہلی اگریمنٹ ان کے دو معنی ہوا کرتے تھے۔ ایک معنی، ان دونوں کے درمیان اور دوسرا معنی بیرونی دُنیا کے لئے ہوا کرتا۔ ایک ایسا شخص جو بھارتی لیڈر کے ساتھ الحاق اور رائے شماری کے بارے میں سازش میں برابر کا شریک تھا۔ عالمی ادارے کے ساتھ کشمیری عوام کو دھوکا دینے کا مرتکب ہوا۔ لیکن جب بھارتی رہنما کی بعض حرکات پر اُنھیں ناراضگی ہوئی تو وہ ایسی بولی

بولنے لگے جس پر عالمی ادارے کے ساتھ کشمیری عوام نے اعتبار کر کے خسارے کا سودا کیا۔

۱۹۵۲ء کی اس دلیل، جو اُنھوں نے الحاق کے بارے میں آئین ساز اسمبلی میں دی تھی۔ ۱۹۸۲ء میں اپنی موت سے چند ماہ قبل اِس دھوکہ کی تصدیق کرتے ہوئے انجمن اقوام متحدہ کے ساتھ کشمیری عوام کو دیا تھا۔ یوں تصدیق کرتے ہیں۔ (دیکھئے "آتش چنار" صفحہ ۵۳۸)۔

"..... میں نے اپنی کلیدی تقریر میں اُن متبادل راستوں کے حُسن و قبح پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور پھر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے ایوان کو مشورہ دیا کہ ریاست کے لئے بہترین راستہ یہی ہوگا کہ وہ دستاویز الحاق کی بناء پر ہندوستان کے ساتھ الحاق کرے ــ آج اس تقریر پر کوئی تیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اس مدت میں مجھے اور ریاستی عوام کو کئی پُر آشوب آزمائشوں اور زبردست مصیبتوں سے گزرنا پڑا۔ ہمیں خون اور آگ کے کتنے ہی دریا پار کرنے پڑے۔ لیکن میں وہیں پر کھڑا ہوں جہاں اُس وقت تھا اور میرے خیال میں وہی نسخہ ہمارے مسائل کا بہترین حل ہے۔"

وزیر اعظم شیخ عبداللہ نے ریاستی قانون ساز اسمبلی کے قیام پر اسمبلی کے ذریعے بھارت سے الحاق کی تصدیق کرانے کے لئے جو تگ و دو کی اس سے وہ بھارت کے حکمرانوں کی نظروں میں ہر دلعزیز ضرور بن گئے۔ لیکن دوسری طرف وہ بھارت کے خلاف جو کام کر رہے تھے۔ اس سے آپ بھارت کے رہنماؤں کی نظروں میں مشکوک ضرور بن گئے۔

کلیر ماؤنٹ ہاؤس بوٹ کی رپورٹیں موصول ہونے کے بعد مرکزی سرکار نے شیخ محمد عبداللہ کو وزارت سے برطرف کرنے کا فیصلہ کر لیا ــــ اُنھوں نے بخشی غلام محمد، غلام محمد صادق، مرزا افضل بیگ اور ڈی۔ پی۔ درکو آلہ کار بنا دیا۔ چنانچہ اُنھوں نے ممبران اسمبلی کو دو حصّوں میں بانٹ لیا۔ ایسا کچھ کرنے کے بعد شیخ عبداللہ سے ایسے فیصلے لینے کو کہا گیا۔ جس میں

اُنھیں نہ صرف مشکلات کا سامنا کرنا پڑا بلکہ ان کی پوزیشن بھی ڈانواڈول ہونے لگی، دراصل مرکزی سرکار اُن پر ایسا دباؤ ڈال رہی تھی کہ وہ لاچار ہوکر وزارت سے خود ہی دستبردار ہو جائے نہیں تو اگر اُنھیں وزارت سے ہٹانا پڑے تو اُس کی ذمہ داری اُنہی پر عاید ہو۔

مرکزی سرکار نے شیخ عبداللہ کے بارے میں یہ فیصلہ کر لیا کہ ایک ایسا شخص جس نے برصغیر کی تقسیم پر پاکستان کو مسترد کیا اور پاکستان بن کر اُسے بُری طرح دھتکارا۔ جو ہندوستان پر ایمان لایا اور قدم قدم پر ثابت کر دیا۔ نہرو، پٹیل، دیورس، بال ٹھاکرے اور بلراج مدھوک سے کم ہندوستانی نہیں۔ وہ بھی اگر انگریزوں کی چال میں آکر خود مختاری کے بارے میں سوچتے ہیں تو ایسے شخص پر بھروسہ کم کیا جانا چاہئے۔ وہ کل کو ضرور کوئی فتنہ جگا سکتا ہے۔ لہٰذا آج ہی اس کا معقول بندوبست کیا جانا چاہئے۔



(شیخ محمد عبداللہ)

اس تجاہل سے ترا مطلب نہیں سمجھا ہوں میں
یا وہ کل کی دلبری یا آج کی بیزاریاں

مرکز اور ریاست کے درمیان بگڑے تعلقات کا نکتہ عروج

دسمبر ۱۹۵۲ء میں اودھم پور میں فوجی ہیڈ کوارٹر پر ملٹری آفیسرس کی HOSBONDS NIGHT کی تقریب منائی گئی۔ اس تقریب میں شرکت کے لئے وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ کو خصوصی دعوت دی گئی تھی۔ اس تقریب میں شمولیت کے لئے شیخ صاحب جموں سے اپنی بیگم کے ہمراہ آگئے۔

تقریب کے دوران یہاں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس کا شیخ صاحب نے ناقابل برداشت حد تک بُرا مانا۔

ڈنر سے قبل چند ملٹری آفیسروں نے شیخ صاحب کو علیحدہ طور پر بلا کر ایک کمرے میں لیا۔ جہاں شراب کا دور چل رہا تھا۔ شیخ صاحب سے کہا گیا ہم نے آپ کو بیگم کے بغیر اس لئے یہاں بلایا تاکہ آپ ہمارے ساتھ انجوائے کریں۔ شیخ صاحب نے شراب پینے سے صاف انکار کیا۔

اُنھوں نے کہا۔ میں تو اس کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا، اس کو پینے کی بات ہی نہیں۔

شیخ صاحب واپس آگئے تو اُنھوں نے دیکھا۔ کرنل کول ایک گوجر عورت کے ساتھ نازیبا حرکت کر رہے تھے۔ یہ گوجر عورت کرنل کول کے پنجے سے چھوٹنے کے جتن کر رہی تھی۔ دوسرے ملٹری آفیسر یہ منظر دیکھ کر لطف اندوز ہو رہے تھے۔

یہ منظر دیکھ کر شیخ عبداللہ کو زبردست دھچکا لگا۔ وہ کرنل کول پر برس پڑے۔ معاملہ رفع دفع تو ہوگیا لیکن شیخ صاحب نے کرنل کول کی اس حرکت کا سخت نوٹس لیا، ریاست کے وزیر اعظم جیسے بڑے عہدے پر فائز ہونے کے

باوجود بھی کسی ملٹری آفیسر سے کوئی بھی ایکشن لینا ان کی دسترس سے باہر تھا۔ لہٰذا اُنھوں نے کرنل کول کے بارے میں پنڈت نہرو سے شکایت کی اور اس بات کی سفارش کی کہ کرنل کول کو نوکری سے برخواست کیا جائے۔

بجائے اس کہ پنڈت نہرو حالات کی نزاکت دیکھ کر کرنل کول سے باز پرس کرتے۔ اُنھوں نے شیخ صاحب کو لکھ دیا:۔

"آپ نے کرنل کول کے بارے میں جو شکایت کی اس کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ جس ماحول کی آپ بات کرتے ہیں۔ اُس ماحول میں اس قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ لہٰذا آپ کو غصّہ تھوک دینا چاہئے اور بیگم صاحبہ کو سمجھا دیں کہ وہ اس کو سیریس نہ لیں۔"

پنڈت نہرو کے اس جواب سے شیخ صاحب کی انا کو ٹھیس پہنچی اُنھوں نے کرنل کول کو دھمکی دی تھی کہ میں آپ کو اس حرکت کا خوب مزہ چکھاؤں گا۔ لیکن جب وہ اس کا بال بھی بیکا نہ کر سکے تو کرنل کول کے ساتھ پنڈت نہرو کے تئیں ان کے اندر بدلے کی بھاؤنا جاگ گئی اور وہ مرکز کے خلاف بیانات میں زہر اُگلنے لگا۔

شیخ صاحب نے کرنل کول کی اس حرکت کے بارے میں "آتشِ چنار" میں جو کچھ بھی تحریر فرمایا ہے۔ وہ توڑ مروڑ کر فرمایا ہے۔ حتیٰ کہ اُس گوجر عورت کا نام و پتہ بھی چھپایا ہے۔ اُن کا یہ کہنا کہ کرنل کول کی ہدایت پر دو سپاہیوں نے ایک گوجر عورت کے ساتھ نازیبا حرکت کی۔ حقیقت سے بعید ہے۔ اوّل تو وہاں اُس ہال میں کوئی سپاہی تھا ہی نہیں۔ اگر ہوتا بھی تو وہ بڑے بڑے آفیسروں کی موجودگی میں اِس قسم کی حرکت ہرگز نہیں کر سکتے۔

واقعہ یہ ہے کہ اِس قسم کی حرکت خود کرنل کول نے کی تھی اور اُن کو نوکری سے ہٹانے کی سفارش شیخ صاحب کی طرف سے پنڈت نہرو سے کی گئی تھی جو نامنظور ہوگئی۔ پنڈت نہرو نے کرنل کول سے ایکشن نہ لے کر شیخ صاحب کو سخت ناراض کر دیا۔ بڑھتے بڑھتے یہ ناراضگی جدائی میں بدلنے لگی۔

شیخ عبداللہ کی ناراضگی مول لے کر پنڈت نہرو اور دوسرے مرکزی لیڈروں

کو اُن سے آئے دن جو کچھ سُننا پڑا۔ اس کو مدنظر رکھ کر پنڈت نہرو پر شیخ عبداللہ کی برطرفی کا دباؤ بڑھنے لگا۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے بخشی غلام محمد کی مدد سے اسمبلی کے ایوان میں وزیر اعظم کی حمایت گھٹا دی، چند وزیروں کے عدم تعاون سے ان کے کام میں رکاوٹ ڈال دی گئی۔

حالات کی نزاکت دیکھ کر شیخ عبداللہ نے بھارت کے ساتھ آئندہ تعلقات کے بارے میں ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بلایا تو کئی ممبران کی غیر حاضری سے یہ اجلاس دو بار ملتوی کرنا پڑا۔

اِس کے بعد جنرل اجلاس کا فیصلہ لیا گیا۔ ۸ مئی ۱۹۵۳ء کو خواجہ غلام محمد صادق کی کوٹھی پر ایک خصوصی میٹنگ کا انعقاد کیا گیا۔ اس میں تمام وزراء کے علاوہ ممبران اسمبلی کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ ان کے لئے شام کے کھانے کا انتظام بھی صادق صاحب کی کوٹھی پر کیا گیا تھا۔

طبیعت کی ناسازی کا بہانہ کر کے بخشی صاحب اس میٹنگ میں شریک نہیں ہوئے اور اُن کے حامی بعض وزراء کے ساتھ کئی ممبران اسمبلی بھی غیر حاضر رہے۔

صادق صاحب کی کوٹھی سے بخشی غلام محمد کو بار بار ٹیلیفون پر بلایا گیا لیکن انھوں نے میٹنگ میں شامل ہونے سے انکار کیا — کوئی ساڑھے گیارہ بجے رات کو اُنھیں اچانک کوئی خیال آیا اور وہ دوسہ اوڑھ کر صادق صاحب کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے (اُنھوں نے اس وقت مجھے اور روگناتھ وار کو اپنے ساتھ لیا۔ اُن دنوں میں بخشی صاحب کے ہاں ملازم تھا۔ شاید انھوں نے ناسازِ طبیعت کی تصدیق کے لئے ہمیں اپنے ساتھ لیا تھا)۔

صادق صاحب کی کوٹھی پر اس وقت اُن کے ساتھ شیخ عبداللہ، مرزا افضل بیگ، گردھاری لال ڈوگرہ، ڈی۔ پی۔ در، سردار بدھ سنگھ، عبدالغنی ترالی، غلام رسول کوچک، خواجہ علی شاہ اور دوسرے حضرات موجود تھے۔

بخشی صاحب آتے ہی جب علیک سلیک کے بعد چپکے سے بیٹھ گئے تو عبدالغنی ترالی

نے ان سے طبیعت کے بارے میں پوچھا اور شیخ صاحب کی طرف سے شکایت کی کہ آپ نے کئی ممبران کو اس میٹنگ میں شریک ہونے سے روکا ہے۔

بخشی صاحب نے اس الزام کی تردید کی، بخشی صاحب کے رویے سے حاضرین میں کسی قدر مایوسی ہوئی، شیام لال صراف نے بخشی صاحب کو اب تک کی بات چیت کا خلاصہ بتایا۔ اس سے صاف ظاہر ہوا کہ یہ میٹنگ مسئلہ کشمیر پر تبادلۂ خیال کے لئے بلائی گئی ہے اور اس میں بھارت کے ساتھ آئندہ تعلقات کے بارے میں فیصلہ لینا مطلوب تھا۔ خاص طور پر اسمبلی کے ذریعے 'الحاق' کی تصدیق۔ بات چیت کے دوسرے دور میں بخشی صاحب کو شامل کر کے اُن سے رائے مانگی گئی تو انھوں نے سر درد کا بہانہ کر کے اپنی رائے محفوظ رکھدی۔ جب تک کہ سبھی متفقہ طور پر کسی حتمی فیصلے تک پہنچ جائیں۔

بخشی صاحب دوسہ اوڑھ کر سونے کے انداز میں دراز ہو گئے۔ کوئی ایک گھنٹہ کے بعد جب عبدالغنی ترالی نے ان کے چہرے سے دوسہ ہٹا کر انھیں اٹھ بیٹھنے کے لئے کہا تاکہ وہ بھی اپنی رائے کا اظہار سکیں۔

بخشی صاحب ہڑبڑا کر بولے:

"اس مسئلے کو فی الحال ملتوی رکھنا چاہئے اور اس کے لئے پہلے مرکز کی رائے لی جانی چاہئے۔ مرکز کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ اب وہ وقت نہیں رہا جب ہم اپنے بارے میں آپ فیصلہ کر سکیں۔"

بخشی صاحب کے اس لہجے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس میں مرکز کو گھسیٹ کر اپنی رائے سے بچنا چاہتے ہیں۔ شیخ صاحب تاڑ گئے اور ان سے مخاطب ہو کر بولے:

"آپ ہمارے اس مسئلے میں مرکز کو گھسیٹ کیوں لے آتے ہیں۔ فیصلہ ہمیں کرنا ہے یا اُن کو؟!" بخشی صاحب نے جواب دیا۔

"میں جانتا ہوں آپ اسمبلی کے ذریعے الحاق کی تصدیق کرا کر مرکز کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تعلقات ٹھیک کرنا چاہتے ہیں۔"

"تو کیا اس کا کریڈٹ آپ لینا چاہتے ہیں؟" شیخ صاحب نے تیز لہجے

سے کہا۔ بخشی صاحب نے اسی لہجے میں جواب دیا:

"کریڈٹ کون لے گا اور کون نہیں۔ لیکن آپ تو اس کا معقول معاوضہ لے چکے ہیں۔"

بخشی صاحب کے اس انکشاف سے کمرے میں ایکدم سناٹا سا چھا گیا۔ سب کے سب ایک دوسرے کی طرف حیران ہو کر دیکھنے لگے۔ شیخ صاحب غصّہ سے لال پیلے ہو رہے تھے۔ وہ کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن مارے غصّے کے وہ کچھ کہہ نہیں سکے۔ بخشی صاحب کھڑے ہوئے اور دوسہ اوڑھ کر یہاں سے چلدیئے۔ کار میں بیٹھ کر جب ہم صادق صاحب کی کوٹھی سے روانہ ہو گئے تو بخشی صاحب اپنی کوٹھی تک آکر کچھ بڑبڑا رہے تھے۔ جیسے میں اور وار کو سمجھ نہ سکے۔

اس جوابی حملے کے بعد ان دونوں لیڈروں کے درمیان جو دوریاں پیدا ہو گئیں۔ وہ آگے جا کر کم ہونے کے بجائے بڑھتی گئیں۔

اسی دوران پنڈت نہرو سرینگر تشریف لائے۔ انھوں نے ایک ملاقات کے دوران شیخ صاحب سے بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کی تصدیق کرانے کا انھیں مشورہ دیا۔

پنڈت جواہر لال نہرو جانتے تھے۔ اب کی بار نیشنل کانفرنس میں ان کی وہ حیثیت تھی نہ اسمبلی میں وہ پوزیشن جس کی بدولت وہ اپنا کوئی بھی فیصلہ منوا سکتے۔ پنڈت نہرو ان کی اس کمزوری سے واقف تھے اور انھیں دکھانا چاہتے تھے۔ تم کتنے پانی میں ہو۔



(بخشی غلام محمد)

شیخ صاحب نے پنڈت جی کے سامنے اپنی بے بسی ظاہر کرنے کے بجائے ان کے سامنے واضح کر دیا کہ بخشی صاحب کی مخالفت کے کارن اس کام کے لئے ہمیں اسمبلی میں مطلوبہ ووٹ نہیں مل سکتے اور جب تک بخشی صاحب اور اُن کے چند ساتھیوں کو وزارت سے برطرف نہ کیا جائے تب تک ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

پنڈت جواہر لال نہرو سمجھ گئے بخشی غلام محمد کو وزارت سے برطرف کیوں کرایا جا رہا ہے۔ لیکن پھر بھی انھوں نے شیخ صاحب

سے بخشی غلام محمد کے ہٹائے جانے کی وجوہات پوچھی۔

شیخ صاحب نے بخشی غلام محمد اور اُن کے چند دیگر ساتھیوں پر کرپشن کے الزامات لگائے تو پنڈت نہرو نے برجستہ جواب دیا:

"اس حمام میں سب ننگے ہیں۔" ویسے بخشی صاحب کی شکایت ہے کہ چند ماہ قبل یہاں شالی اسٹور میں شالی خرد برد کرنے کا جو سب سے بڑا اسکنڈل ہوا اس کو کیوں دبایا گیا؟!"

پنڈت نہرو سے ایسا سُن کر شیخ صاحب کی گویا بولتی بند ہوگئی۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے بخشی غلام محمد کے خلاف کسی قسم کی کاروائی کی تجویز ٹھکرادی، شیخ صاحب بحیثیت وزیر اعظم اُنھیں وزارت سے الگ کر سکتے تھے۔ لیکن وہ جانتے تھے اس طرح کیبنٹ کی طرف سے اُنھیں بغاوت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وہ اس بغاوت کا سامنا ضرور کرتے اگر اس بارے میں انھیں مرکز کا آشیرواد مل جاتا۔

شیخ صاحب نے بخشی غلام محمد اور اُن کے چند حواریوں کے بارے میں ایکشن لئے بنا، اسمبلی کے ذریعے الحاق کی تصدیق کرانے سے معذوری ظاہر کی۔ چنانچہ پنڈت نہرو ناراضگی کی حالت میں واپس دہلی چلے گئے۔ دونوں طرف اختلافات کی خلیج بڑھ گئی۔

پنڈت نہرو کی ناراضگی نے شیخ عبداللہ کو سخت دل برداشتہ کیا۔

اب وہ ہندوستان کے خلاف سخت اقدام اُٹھانا چاہتے تھے۔ وہ آزاد پنچھی کی طرح اڑنا چاہتے تھے لیکن اپنے کٹے ہوئے پَر دیکھ کر اُنھیں مایوسی اور ندامت کا سامنا کرنا پڑتا۔

حالات کو دیکھ کر جب اُنھوں نے گرد و پیش کا جائزہ لیا تو اپنے اسے غیر لگنے لگے۔ کافی سوچ بچار کے بعد بخشی صاحب کو اپنانے کی پہل کی، شیخ صاحب نے اُنھیں تمام گلے شکوے چھوڑنے کے لئے کہا۔ تو بخشی صاحب ان کا کہنا مان کر اس حد تک گئے جہاں اُنھوں نے شیخ عبداللہ پر ایمان لاکر اُنھیں اپنے ایمان کا چھٹا جُز کہنے میں کوئی پس و پیش نہیں کیا۔ بخشی صاحب کو اپنانے کے بعد شیخ عبداللہ نے ہندوستان کو منہ دکھانا شروع کیا۔ اُنھوں نے ہندوستان کے ساتھ تعلقات کے بارے میں ورکنگ کمیٹی کا اجلاس طلب کرلیا۔

ورکنگ کمیٹی میں شیخ محمد عبداللہ، غلام محمد صادق، بخشی غلام محمد، مولانا مسعودی مرزا افضل بیگ، سردار بدھ سنگھ، شیام لال صراف اور گردھاری لال ڈوگرہ شامل تھے۔ ورکنگ کمیٹی نے میٹنگ کے دوران فیصلہ کرلیا کہ کشمیر کے تنازعے کو مستقل طور پر حل کرنے کے لئے جو بھی تجویز ہوں وہ سوچ سمجھ کر پیش کر دی



(ورکنگ کمیٹی کا فوٹو)

جائیں تاکہ ان پر موزوں وقت پر بحث و مباحثہ ہو سکے اور اتفاق رائے سے پاس ہو سکے چنانچہ اس سلسلے میں ۴ جون ۱۹۵۳ء کو ایک اجلاس میں مندرجہ ذیل قرار دادیں پاس کی گئیں:

۱۔ استصواب رائے عامہ۔

۲۔ ساری ریاست کی خود مختاری۔

۳۔ ساری ریاست کی خود مختاری البتہ امور خارجہ اور دفاع پر ہندوستان اور پاکستان کا مشترکہ کنٹرول۔

۴۔ ڈکسن پلان۔ استصواب رائے عامہ والے علاقے کی خود مختاری۔

اگرچہ انجمن اقوام متحدہ کی قرارداد میں رائے شماری کے ذریعے الحاق کو ہند اور پاکستان تک ہی محدود کر دیا تھا۔ لیکن مولانا مسعودی نے پانچویں تجویز یعنی کشمیر کی مکمل خود مختاری کی قرارداد پیش کر دی جو اتفاق رائے سے منظور بھی ہوگئی۔

خواجہ غلام محمد صادق نے رائے شماری کی تجویز کی مشروط تائید کی، اُنھوں نے رائے شماری پانچ ہمسایہ ممالک کی نگرانی میں عمل میں لانے پر زور دیا۔

بخشی غلام محمد نے ڈکسن پلان کی عمل آوری کے ساتھ اتفاق کیا۔

متفقہ طور پر جن تجویزوں پر غور کیا گیا اور اُن کو ترتیب وار رکھا گیا۔ ان کی اطلاع مرکزی سرکار کو بذریعہ بخشی غلام محمد اور مرزا افضل بیگ پہنچائی گئی۔ اپنے مراسلے میں وزیراعظم شیخ محمد عبداللہ نے واضح کر دیا کہ اب یہ آپ کا کام ہے کہ آپ سنجیدگی سے ان تجاویز کا جائزہ لیں اور طے کریں کہ کیا اُن کے ذریعے مسئلے کے جائز حل کی طرف رہبری ہو سکتی ہے۔ اگر مرکز کے پاس کوئی متبادل بھی ہے تو اُس کو بھی زیر بحث لایا جا سکتا ہے۔

ورکنگ کمیٹی کے متفقہ فیصلے اور اس کے بارے میں کھلے اجلاس میں بحث و مباحثہ کے بعد جو حتمی فیصلہ لیا گیا اس کو مرکز سے منوایا جا سکتا نہ کہ اُن سے اس کا متبادل پوچھ لیا جاتا۔ ایک حتمی فیصلے کے بعد مرکز سے متبادل تجویز کے بارے میں پوچھنا اسی طرح اس فیصلے کو ٹالنے کے مترادف تھا۔ جیسے سلامتی کونسل کی طرف سے رائے شماری کرانے کو ٹالا گیا۔

دیانتداری کا تقاضا تو یہ تھا کہ ورکنگ کمیٹی کے متفقہ فیصلہ پر قائم رہ کر اس کو لاگو کرانے پر زور دیا جاتا اور اسی ایک لائن پر چلنے کا عہد کیا جاتا چاہے اس کے لئے وزارت بھی کیوں نہ چھوڑنا پڑتی مگر ایسا کرنے کے بجائے متبادل، تجویز کا پیغام بھیجنا یا تو اُنھیں بلیک میل کرنے سے تعلق رکھتا تھا نہیں تو اُسے اُس کڑی کے ساتھ جوڑنا مقصود تھا جو دھوکہ ایسے موقعوں پر کشمیری عوام سے کیا جاتا رہا۔

پچھلے سات سال میں بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کو حتمی، اٹل اور ناقابلِ تنسیخ ماننے۔ سردار پٹیل اور مولانا آزاد کی ریاست کو لیجانے کی تجویز ٹھکرانے کے بعد اس قسم کا فیصلہ یقیناً کچھ عجیب سا لگتا ہے۔

ورکنگ کمیٹی کا فیصلہ لے کر جو وفد دہلی گیا ہوا تھا وہ ابھی واپس بھی نہیں آیا تھا کہ شیخ عبداللہ نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا:

"۱۹۴۷ء میں بھارت کے ساتھ کشمیر کا ابتدائی الحاق ہم پر ٹھونسا گیا تھا کیونکہ ہند کے ساتھ ریاست کے الحاق کے بغیر حکومتِ ہند نے ہماری مدد کرنے سے صاف انکار کیا تھا .... اگرچہ تمام پہلوؤں سے ہندوستان کے ساتھ کشمیر کا الحاق مکمل ہے تاہم اس لحاظ سے یہ

یہ الحاق مشروط اور عارضی ہے کیونکہ عوام کو اس کی تصدیق کرنی ہے — لہٰذا یہ حتمی اور آخری نہیں ہے۔

ہندوستان سے یارانہ گانٹھ کر شیخ عبداللہ کو جتنی خوبیاں ہندوستان میں نظر آئیں۔ اس سے کہیں زیادہ خرابیاں اُنھیں پاکستان میں دکھائی دے رہی تھیں نظریۂ پاکستان کے ساتھ اُن کا اختلاف اور پاکستان کو تمام برائیوں کو جڑ ماننے کے بعد انھوں نے پاکستان کے وجود میں آنے سے اب تک پاکستان اور پاکستانی لیڈروں میں اُنھیں جتنے عیب اور جتنی برائیاں نظر آئیں۔ اُن کا کوئی شمار نہیں۔ کشمیر کو پاکستان سے دور رکھنے میں اُنھوں نے وہی رول ادا کیا جو کسی اچھے بھلے کو کوڑھ کے مریض سے دور رکھتے ہوئے کیا جاتا ہے۔ البتہ بھارت کے بعض لیڈروں کے ساتھ اختلافات پیدا ہوتے ہی اُنھیں بھارت میں خامیاں اور پاکستان میں خوبیاں نظر آنے لگیں جبکہ اُنھوں نے اس کا برملا اظہار بھی کیا۔

"جغرافیائی لحاظ سے کشمیر کا محلِ وقوع اس امر کا تقاضا کر رہا ہے کہ اس کی خوشحالی کا انحصار ہند اور پاکستان دونوں کے ساتھ تجارت پر ہے۔ اس کے عوام مغربی پاکستان اور مشرقی پنجاب اور شمال مغربی سرحدی صوبہ کے ساتھ کلچرل رشتوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ اس کے دریا اور راستے پاکستان کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ کشمیر کا نزدیک ترین ریلوے اسٹیشن راولپنڈی ہے۔ کشمیر کے تاجر کراچی کے بندرگاہ کو استعمال کرتے آئے ہیں۔ کشمیر کو پاکستان کے ساتھ ایک خاص لگاؤ ہے اور اس لگاؤ کو کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

شیخ عبداللہ کی طرف سے پاکستان کی اس طرفداری میں خلوص کے بجائے اُن کی مصلحت کارفرما تھی اگر یہ کہا جائے پاکستان کی طرفداری کرتے ہوئے شیخ صاحب بھارتی حکمرانوں پر ایک قسم کا رعب ڈالنا چاہتے تھے تو ہرگز غلط نہ ہوگا کیونکہ اس مرحلہ پر پہنچ کر جہاں اُنھیں بھارت میں تاریکی اور پاکستان میں روشنی دکھائی دینے لگی تھی۔ وہ پاکستان کے ذرہ برابر بھی طرفدار نہ تھے —— اس کی مثال ہمیں پولیٹیکل کانفرنس کے اجلاس میں بخوبی ملتی ہے۔

شیخ محمد عبداللہ کی طرف سے پاکستان کی طرفداری کی باتیں سُننے کے بعد پارٹی کے صدر خواجہ غلام محی الدین قرہ کو حوصلہ مل گیا۔ اُنھوں نے ۱۹ر جون ۱۹۵۳ء کو سہہ یار سرینگر میں ہزاروں لوگوں کے اجتماع میں "پولیٹکل کانفرنس" کے وجود میں آنے کا اعلان کیا اور اس کے ذریعے پاکستان کا فطری رجحان دریافت کر لیا اور پاکستان کے ساتھ الحاق کے سیکولر اور سوشلسٹ نظام کے قیام کو بھی اپنا نصب العین قرار دیا۔ خواجہ غلام محی الدین قرہ کے ساتھ ورکنگ کمیٹی میں بعض غیر مسلم بھی شامل تھے۔ جس وقت غلام محی الدین قرہ سہہ یار کے مقام پر عوام کے سامنے تقریر کر رہے تھے۔ شیخ عبداللہ قریب ہی ایک مکان میں چوری چھپے جلسے کی کاروائی دیکھ رہے تھے۔ پاکستان کی حمایت میں تقریر کی پاداش میں غلام محی الدین قرہ کو اپنے حمائتیوں سمیت گرفتار کر لیا گیا اور "پولیٹکل کانفرنس" پر اس کے جنم کے ساتھ ہی عتاب نازل کیا گیا جو کبھی مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس پر نازل ہوا کرتا تھا۔

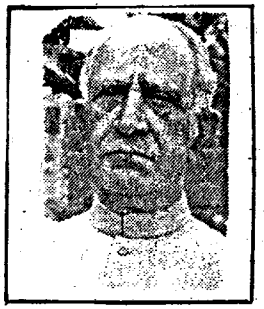
شیخ محمد عبداللہ نے بحیثیت وزیر اعظم اپنے قہر سے پولیٹکل کانفرنس کو ایسا دبا دیا کہ وہ پھر اُٹھ نہ سکی، اس پارٹی کا شیرازہ ایسا بکھر گیا کہ پھر یکجا نہ ہو سکا۔

اس ساری صورت حال پر غور کرنے سے ایک بات صاف ہو جاتی ہے کہ کشمیر میں چاہے بھارت کی حمایت کی جائے یا اس کی مخالفت، چاہے پاکستان کو بنایا جائے یا ہندوستان کو رکھا جائے، آزادی حاصل کی جائے یا غلامی قبول کی جائے۔ اس کے تمام حقوق بحق شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے جانشین محفوظ ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ سارے حقوق اُنھیں کشمیری عوام نے مہر تصدیق ثبت کر کے دیئے ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کے بارے میں کشمیری عوام کو چاہے گالیاں سُننی ہوں یا ان کی تعریفیں وہ صرف نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ سے اور کسی سے نہیں۔ اس بات کو مدنظر رکھ کر پاکستان کی مکمل حمایت کرنے کا کریڈٹ غلام محی الدین قرہ کو دینے کے بجائے اس کے جملہ حقوق بھی شیخ صاحب نے اپنے پاس محفوظ رکھے۔

حالانکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ غلام محی الدین قرہ پاکستان کی حمایت میں لوگوں کا اعتماد اس لئے حاصل نہیں کر رہا تھا کہ اُنھیں قوم کا درد تھا اور وہ محسوس

رہے تھے۔ یہاں کی اکثریت پاکستان کی دلدادہ ہے بلکہ اس کی آڑ میں وہ شیخ عبداللہ سے بدلہ لے رہا تھا۔ جنھوں نے اُنھیں بے شمار قربانیوں کے باوجود کیبنٹ میں شامل نہیں کیا تھا۔ وہ پنڈت نہرو سے بدلہ لے رہا تھا۔ ھوں نے ان کی پیش کش قبول نہیں کی تھی۔



(غلام محی الدین قرہ)

بہت ہی کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ شیخ عبداللہ ر مرکز کے درمیان اختلاف کا فائدہ اُٹھا کر غلام ی الدین قرہ ریاست کے وزیر اعظم بننا چاہتے تھے۔ پریل ۱۹۵۳ء میں مسٹر قرہ نے جمنا داس اختر کو پنڈت واہر لال نہرو سے اُنھیں وزارتِ اعظمیٰ دلانے کی سفارش کے لئے ساتھ لیا تھا۔ پنڈت نہرو نے جمنا داس اختر کی یہ سفارش نامنظور کر دی حالانکہ بخشی غلام محمد کے مقابلے میں غلام محی الدین قرہ نے پنڈت نہرو کو اقتدار کے عوض کشمیر کی خصوصی پوزیشن قربان کرنے کا یقین دلایا تھا۔ مگر پنڈت نہرو نے ان پر اعتبار نہیں کیا، پنڈت نہرو سے مایوس ہو کر ہی انھوں نے دہلی سے واپس آ کر پاکستان کا علم بلند کیا۔

پاکستان کی طرف سے اُن کے اس کارنامے کا اُنھیں بھرپور معاوضہ دے دیا گیا۔ دراصل پاکستانی حکمران اصلی حقایق سے بالکل بے خبر تھے۔

ظاہر ہے کہ ریاستی عوام کے حصّے میں جو بھی لیڈر آیا ہے وہ خلوص سے خالی تھے اور اُن کی نیت بھی صاف نہیں تھی۔ اُنھیں صرف اور صرف اپنے مفاد عزیز تھے اور انہی مفادات کی خاطر وہ کبھی اُدھر رُخ کرتے اور کبھی اِدھر رُخ موڑتے۔

اس سلسلے میں ۱۴ر جون ۱۹۵۳ء کو ریڈیو کشمیر سے عید کی تقریب پر تقریر کرتے ہوئے وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ نے قوم سے فرمایا:

"..... میں مختصراً اور آسان لفظوں میں یہ بتا رہا ہوں کہ ہندو فرقہ پرست یہ چاہتے ہیں کہ ریاست کا جو حصّہ جنگ بندی سرحد کے اُس پار ہے اس کو بھی ہندوستان کے ساتھ مکمّل ادغام کیا جائے اور ہندوستان کا دستور پورا کا پورا یہاں لاگو کیا جائے۔ لیکن کشمیر کی

عظیم اکثریت اُن شرائط سے زیادہ کوئی بات ماننے پر تیار نہیں ہے جن کی رو سے اُنھوں نے ہند کے ساتھ الحاق کیا۔ اُس وقت الحاق اور ادغام پر ہمارے اور اُن کے درمیان لڑائی ہو رہی ہے وہ ادغام چاہتے ہیں جبکہ ہم نے صرف عارضی الحاق کیا ہے۔"

نیشنل کانفرنس کے ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے اُنھوں نے کہا:

"..... ہمیں دیکھنا ہے کہ کیا آبادی کے تمام حصّوں کو اس آئینی رشتے سے فائدہ پہنچا ہے یا نہیں۔ میرے ساتھیوں اور میں نے کشمیری مسلمانوں کو یقین دلایا تھا کہ ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے سے نہ صرف ہمارے حقوق اور مراعات کی حفاظت ہوگی بلکہ ہندوستان اُنکے ساتھ بہترین سلوک بھی کرے گا لیکن گزشتہ چھ سال کے دوران کشمیری مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کیسے کی گئی۔ وہ محکمہ پوسٹ اور ٹیلیگراف اور دفاعی فوجوں میں اُن کو دی گئی نمائندگی سے ظاہر ہے؟ میں اُنھیں ہندوستانیوں کے نیک ارادوں کا یقین کیسے دلا سکتا ہوں۔ جب ایک تعلیم یافتہ کشمیری مسلم نوجوان بیکاری کے عالم میں اپنے غیر مسلم بھائیوں کو ہندوستان میں اچھے عہدوں پر فائز دیکھتا ہے۔ اس کے پیشِ نظر اُسے حق پہنچتا ہے کہ وہ مجھ سے پُوچھے کہ ہندوستان میں اُس کے لئے نوکریوں کے دروازے کیوں بند ہیں۔"

جامعہ مسجد میں حجتہ الوداع مورخہ ۱۲ جون ۱۹۵۳ء کی تقریب میں اُنھوں نے فرمایا:

"..... کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ ایسا نہیں ہو سکتا جو کشمیر کے لوگوں کو منظور نہ ہو، یہ سوال بند کمروں میں حل نہیں کیا جا سکتا، فیصلہ جو بھی ہوگا عوام کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ عوام اس کی (یعنی شیخ عبداللہ کی) لیڈرشپ پر پورا بھروسہ رکھیں۔ کچھ لوگ تنظیم کی صفوں میں انتشار پھیلانے کی غرض سے غلط افواہیں پھیلا رہے ہیں۔ میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں جب تک کہ

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ایک باعزت سمجھوتہ نہ ہو جائے کشمیری امن اور خوشحالی کی زندگی بسر نہیں کر سکتے۔"

۲۲ جون ۱۹۵۳ء کو مجاہد منزل میں نیشنل کانفرنس کے کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے اُنھوں نے کہا۔

"..... میں دوبارہ کہوں گا کہ اس ریاست کے مستقبل کے سوال کا فیصلہ یہاں کے باشندوں کو کرنا ہے جو فیصلہ عوام کی مرضی کے مطابق نہ ہو، وہ ہم پر زبردستی ٹھونسا نہیں جا سکتا، جب پاکستان نے ہم پر حملہ کیا تو اس مرحلہ پر ہم نے ہندوستان سے مدد طلب کی لیکن قبل اس کے کہ ہندوستانی فوجیں ہماری ریاست میں داخل ہوتیں۔ ضروری تھا کہ ہم ہندوستان کے ساتھ الحاق کی دستاویز پر دستخط کریں۔ لیکن ہندوستان نے ہمیں اس بات کا یقین دلایا کہ جب ریاست میں حالات معمول پر آجائیں گے اور کشمیری عوام اس الحاق کی توثیق کریں گے تو اس وقت یہ الحاق قطعی متصور ہوگا۔ ورنہ نہیں۔ ہمیں اس نکتہ کو بھولنا نہیں چاہئے۔"

۱۲ جولائی کو اسی مجاہد منزل میں کارکنوں کے سامنے اُنھوں نے فرمایا:

"اس حقیقت کی طرف دھیان دینا ضروری ہے کہ اب ہندوستان اور کشمیر کے درمیان تعلقات نہیں رہے ہیں، کیونکہ پریشد نے ان تعلقات کی بنیادوں کو ہلا دیا ہے۔"

اگلے روز ۱۳ جولائی کو اُنھوں نے یوم شہداء کے موقع پر شہید مزار پر عوام سے جو خطاب فرمایا۔ یہاں اس وقت کئی غیر ملکی جن میں نئی دہلی میں امریکی سفارت خانہ کا فرسٹ سیکریٹری مسٹر رچرڈ لیچ بھی شامل تھے۔

شیخ عبداللہ نے اپنی دو گھنٹے کی تقریر میں فرمایا:

"..... میرے خیال میں کشمیر کی بہبودی کا راز ہندوستان اور پاکستان کے باہمی فیصلہ میں مضمر ہے۔ اصولی اختلافات کو ایک طرف رکھ کر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ کشمیر کی پوزیشن ایک ہی ملک کی

خیر سگالی نہیں چاہتی بلکہ ہندوستان اور پاکستان دونوں کی خیر سگالی کی خواہاں ہے۔ لہٰذا ہمیں دیکھنا ہے کہ کونسا ایسا فیصلہ کیا جائے۔ جو کشمیریوں کے مفادات کے پیشِ نظر باعزت ہو اور اس کے ساتھ ہی دونوں ملکوں ہندوستان اور پاکستان کو بھی منظور ہو لہٰذا قدرتی طور پر وہ فیصلہ کشمیر کے چالیس لاکھ انسانوں کو کرنا ہے اور وہ وہی فیصلہ کریں گے جو اُن کے مفادات کے حق میں بہتر ہو۔ ہم نہیں چاہتے کہ یہ ریاست ہندوستان یا پاکستان کا دُم چھلا بنائی جائے۔ یہ فیصلہ کرنے میں دُنیا کی کوئی طاقت کشمیریوں کے راستے میں سدِّ راہ نہیں ہوسکتی۔ ایسا کبھی نہیں ہونا چاہئے کہ کشمیریوں کے گلے میں ایک پھندہ ڈالا جائے اور اُنھیں اپنی مرضی کی مخالف سمت کی طرف گھسیٹا جائے۔ کشمیریوں کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جہاں بھی چاہیں چلے جائیں۔

مجھے ایسا لگتا ہے ہندوستان اس وقت تک کشمیر کے عوام کو حقِ خود ارادیت استعمال کرنے کی اجازت نہیں دے گا جب تک نہ اُسے یقین ہوجائے کہ فیصلہ اُن کے ہی حق میں ہوگا — مجھے ہندوستان میں ایک بھی شخص نظر نہ آیا جو مجھے یہ ضمانت دے سکے کہ ریاست اور بھارت کے تعلقات میں ان شرائط کے مطابق مستقبل میں بھی قائم رہیں گے جن کی رو سے ہم نے ہندوستان کے ساتھ الحاق کیا ہے اور شرائط میں کوئی ردو بدل نہ کی جائے گی۔

بنیادی بات یہ ہے کہ ہم نے اپنی زندگیاں کشمیر کو ہندوستان یا پاکستان کا دُم چھلا بنانے کی خاطر قربان نہیں کی ہیں۔ بلکہ ریاست جموّں کشمیر کے عوام کے مفاد کے لئے شہیدوں نے ہمارے لئے یہ پیغام رکھ چھوڑا ہے — "ہم نے اپنے فرائض نبھالئے ہیں۔ اب یہ قوم کا کام ہے کہ وہ اپنا فرض پورا کرے۔" اور وہ فرض ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ الحاق کرنا نہیں ہے بلکہ درحقیقت وہ فرض یہ ہے کہ ہم کشمیریوں کے لئے آزادی حاصل کرنے کا نصب العین اپنی نظروں سے اوجھل نہ

ہونے دیں۔ ہم صرف وہی راستہ منتخب کریں گے جو ہمیں آزادیٔ عزّت اور خوشحالی کی طرف لے جائے گا اور ہمارے مستقبل کے تحفظ کا ضامن ہو۔ یہی وہ راستہ ہے جن کی تلاش میں آپ کے رہنما ہیں۔"

۲۴ جولائی کو آپ نے نیشنل کانفرنس کے ایک خصوصی اجلاس میں فرمایا:

"... ہم نے ہندوستان کے سوشلسٹ نظریہ پر اعتبار کرکے یہ سوچا تھا کہ یہاں کسی فرقہ کے ساتھ کوئی امتیاز برتا نہیں جائے گا۔ مگر ہم دیکھ رہے ہیں یہاں مسلمانوں کے ساتھ انصاف نہیں برتا جا رہا ہے آج بھی حالات وہی ہیں جو ڈوگرہ دورِ حکومت میں تھے۔ سرکاری محکموں میں مسلمانوں کے ساتھ امتیاز برتا جا رہا ہے اور حد یہ ہے کہ ایسا اُن محکموں میں بھی ہوتا ہے جو ہم نے مرکز کے حوالے کئے ہیں۔"

اپنی گرفتاری سے صرف تین روز قبل شیخ عبداللہ نے پارلیمنٹ ممبر اور نیشنل کانفرنس کے لیڈر مولانا محمد سعید مسعودی کے نام خط لکھا:۔

سرینگر — ۱۶ اگست ۱۹۵۳ء

محترم مولانا صاحب السلام علیکم۔

آپ کا رجسٹرڈ خط مورخہ ۲۹ جولائی مجھے مِلا تھا۔ مصروفیت کے باعث میں آج تک جواب نہ دے سکا۔ ویسے جناب صوفی صاحب اور خواجہ قادر نے آپ کو یہاں کے حالات سے زبانی آگاہ کیا ہوگا۔ حالات جوں کے توں ہیں۔ بخشی صاحب اور صادق صاحب کی گزشتہ تقریروں کی رپورٹیں آپ نے اخبارات میں پڑھی ہوں گی۔ میری اور بیگ صاحب کی بھی تقریریں آپ کی نظروں سے گزری ہوں گی۔ ۴ اگست کو بخشی صاحب، صادق صاحب، ڈوگرہ صاحب، بیگ صاحب، صراف صاحب اور ہمدانی صاحب میرے مکان پر ملے۔ میں نے صادق صاحب اور ڈوگرہ صاحب سے سوال کیا کہ پیشِ نظر اس بات کے کہ انھیں عام طور پر کمیونسٹ خیال کا سمجھا جاتا ہے۔ ان کی رائے



(مولانا مسعودی)

حالیہ سنٹرل کمیونسٹ پارٹی کی کشمیر کی تجویز کے متعلق کیا ہے؟ کیا وہ اس کو اپنے اُوپر MANDATORY سمجھتے ہیں۔ دونوں نے جواباً کہا کہ اگرچہ ہم خیالات اور اپروچ کے لحاظ سے کمیونسٹ پارٹی کے ممبر نہیں ہیں۔ اس لئے یہ تجویز ان پر MANDATORY نہیں ہو سکتی۔ بسوال دیگر کہ آیا تجویز میں مختلف مسائل پر جس رائے کا اظہار کیا گیا اس کو وہ کلیتاً صحیح سمجھتے ہیں یا جزواً اور اگر جزواً سمجھتے ہیں۔ تو کس حصّے کے ساتھ اختلاف ہے۔ صادق صاحب نے جواباً کہا۔ کہ کشمیر کی آزادی INDEPEDNCE کے متعلق تجویز میں جس رائے کا اظہار کیا گیا ہے مجھے اس سے پورا اتفاق ہے .....

الغرض صادق صاحب نے کمیونسٹ پارٹی کی لائن کے ساتھ اپنے پورے اتفاق کا اظہار ہی نہیں کیا بلکہ الفاظ کے استعمال میں چند قدم آگے بڑھ گئے۔ بخشی صاحب نے ان کے ساتھ بحث کرنی شروع کی تو میں نے اُن کو روکا کیونکہ میری غرض صرف یہ تھی کہ صادق صاحب کے ذاتی خیالات معلوم ہو سکیں۔ بحث میں پڑنے کی ضرورت نہ تھی۔

ڈوگرہ صاحب نے INDEPEDNCE کے متعلق کہا کہ وہ انہی خیالات پر قائم ہیں۔ جس کا اظہار وہ اس سے قبل گزشتہ میٹنگوں میں کر چکے ہیں .....

ہندوستان کے خلاف اور پاکستان کے حق میں بیانات دینے کے بعد مرکز کے ساتھ شیخ عبداللہ کے تعلقات اور بھی خراب ہو گئے۔ مرکز نے ان کے اردگرد جال بچھانا شروع کیا اور مرکزی حکمرانوں کی شہ پر اُن کی کابینہ کے چند اہم ارکان نے اُن کے خلاف صدر ریاست ڈاکٹر کرن سنگھ کی خدمت میں ایک یادداشت پیش کی۔ جس میں وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ پر مطلق العنانیت، جبر و تشدد، بدنظمی، غبن اور پبلک ذرائع کے ناجائز استعمال، جموں اور لداخ میں غیر یقینیت پیدا کرنے اور ریاست و مرکز کے درمیان تعلقات خراب کرنے اور ریاست میں تناؤ پیدا کرنے کے الزامات عائد کر دیئے گئے۔

صدر ریاست نے الزامات پر غور کرنے کے لئے ایک ہنگامی میٹنگ تجویز کی، شیخ عبداللہ نے اس میٹنگ میں شامل ہونے سے انکار کیا۔

۸ر اگست کو شیخ صاحب اپنی فیملی کے ساتھ گلمرگ تشریف لے گئے۔

صدر ریاست نے ۹ر اگست ۱۹۵۳ء کو صبح سویرے اُنھیں وزارت اعظمیٰ کے عہدے سے برطرف کر دیا اور بخشی غلام محمد کو اس عہدے کے لئے نامزد کیا گیا۔ گلمرگ میں معزول وزیر اعظم کو گرفتار کر کے وادی سے باہر لے جا کر نظر بند کر دیا گیا۔



ڈی، پی دھر　　گردھاری لال ڈوگرہ

ڈی، پی دھر اور گردھاری لال ڈوگرہ نے ۹ر اگست کی کاروائی کے لیے اہم رول ادا کیا۔





اوپر :- ۹ اگست ۱۹۵۳ء کے روز بخشی غلام محمد کی کوٹھی کے سامنے مظاہرین کو پکڑنے کا منظر۔ ملٹری نے کوٹھی کو گھیرے میں لے لیا ہے۔
نیچے : شیخ عبداللہ کی گرفتاری پر عوامی مظاہروں کا ایک منظر

باب ۴

اگست ۱۹۵۳ء کا واقعہ
شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری کے
اسباب

زمانہ دن رات تیری جفائیں یاد کرتا ہے
یہاں یہ حال ہے تیری ثناخوانی نہیں جاتی

جُز :-

صفحہ نمبر

۱۔ وزیر اعظم کی معزولی اور گرفتاری
منظر اور پس منظر — ۲۶۳

۲۔ کشمیر کو فروخت کرنے کا معاہدہ
بیع نامۂ دہلی — ۲۷۹

۳۔ شیخ محمد عبداللہ کی نوکری اور شادی کے
پوشیدہ گوشے — ۲۹۳

۴۔ شیخ محمد عبداللہ کی معزولی اور گرفتاری کے
مضمرات — ۳۰۳



پنڈت نہرو بخشی غلام محمد کو کشمیر کا وزیر اعظم بنانے کا
مژدہ سنا رہے ہیں



۸ر اگست ۱۹۵۳ء کے ڈپٹی وزیر اعظم ۹ر اگست کے وزیر اعظم

بخشی غلام محمد



مرزا محمد افضل بیگ اور خواجہ غلام محمد صادق

۹ر اگست کے روز الگ الگ راستوں پر چلے



سردار بدھ سنگھ



شام لال صرّاف

۹ اگست کی کاروائی کے لیے انہوں نے اہم رول ادا کیا۔

زندگی کرتی نہیں ٹوٹتے رشتوں سے وفا
سارے الزام مگر ثبوت کے سر آتے ہیں

وزیر اعظم کی معزولی اور گرفتاری
منظر اور پس منظر

وزارتِ اعظمی سے شیخ محمد عبداللہ کو برطرف کرنے کا فیصلہ کرنے کے بعد اب اس پر عملی جامہ پہنانا مقصود تھا۔ کیبنٹ اور اسمبلی کے ساتھ تنظیم میں اُن کے حمائیتوں کی لسٹ مرتب کرلی گئی تھی۔ مرکزی سرکار کی طرف سے بخشی غلام محمد، غلام محمد صادق، شیام لال صراف، گردھاری لال ڈوگرہ اور ڈی۔ پی۔ دھر، سردار بدھ سنگھ کے ساتھ دوسرے کئی وزراء اور ممبران اسمبلی کو اعتماد میں لیا گیا تھا۔

بقول خواجہ غلام محمد صادق، بخشی غلام محمد اور میں نے شیخ محمد عبداللہ کا تختہ اُلٹنے میں بھرپور ساتھ دینے کا فیصلہ اِس لئے کرلیا کیونکہ اُنھوں نے سلطانِ کشمیر بننے کی خاطر کشمیر کا مستقبل تاریک بنادیا تھا۔ اقتدار کی خاطر ہٹ دھرمی سے ریاستی عوام کے جذبۂ آزادی کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ ہم نے فیصلہ کرلیا چاہے کچھ بھی ہو ہم اُنھیں اُس اقتدار سے ہٹا کر ہی دم لیں گے جس اقتدار کی خاطر اُنھوں نے خود مختار کشمیر کا تصوّر ملیا میٹ کردیا۔ چنانچہ ہم نے مرکزی سرکار کا مشورہ قبول کرکے وقت کا انتظار کیا۔

ان دونوں لیڈروں کی یہ رائے صحیح ہے یا غلط البتہ یہ بات غور طلب ہے کہ ان دونوں لیڈروں کو اعتماد میں لئے بغیر مرکزی سرکار اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہوسکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ اعتماد میں لینے کے لئے اُنھیں اقتدار کا ہی لالچ دیا گیا۔

اپنی معذولی اور گرفتار کے بارے میں شیخ عبداللہ نے اپنی کتاب "آتشِ چنار" میں لکھا ہے :۔

"..... میں نے پنڈت جواہر لال نہرو سے کہہ دیا اگر ہم آئین ساز اسمبلی کے ذریعے الحاق کا فیصلہ کرلیں تو دُنیا کو کیا منہ دکھائیں گے؟ میں نے نہایت ادب کے ساتھ کہا کہ بین الاقوامی شہرت کے رہنما اور اُن کے دم سے ہندوستان کی اخلاقی برتری کا بھرم قائم ہے۔ اگر ہم اُن کے بتائے ہوئے راستے پر چلے تو اُن کی شہرت پر دھبّہ اور اُن کی عزّت پر بٹّہ لگ جائے گا۔ اُس کے علاوہ عالمی سطح پر ہندوستان کی شبیہہ مجروح اور اس کی اخلاقی حیثیت مشکوک ہوجائے گی۔ اگر ایسا کرنے سے کوئی مثبت اور مفید نتیجہ نکلتا تو بات بھی تھی.....

میں نے پنڈت جی کو گوپالاسوامی آئینگر کی تجویز کے جواب میں اُن کا ردعمل بھی یاد دلایا اور کہا۔ جب ہم نے آئین ساز اسمبلی میں الحاق کے معاملے کی توثیق کے لئے پہل کی تھی۔ اُس وقت آپ آگ بگولا ہوگئے تھے۔ اب اتنی دور سفر کرنے کے بعد کونسی ایسی بات ہوگئی کہ آپ ہمیں وہی کچھ کر گزرنے کی ترغیب دیتے ہیں جسے آپ خود ہی حقارت سے ٹھکرائے تھے۔"

شیخ محمد عبداللہ آج جواہر لال نہرو سے کہہ رہے ہیں۔ اسمبلی کے ذریعے الحاق کا فیصلہ کرلیں گے تو دُنیا کو کونسا منہ دکھائیں؟ شیخ صاحب ——— !

کیا وہی منہ دکھایا نہیں جاسکتا جو اسمبلی کے قیام کے فوراً بعد اُس وقت دکھایا گیا۔ جب اسمبلی میں پہلی تقریر کے دوران اسمبلی کے ذریعے الحاق کی توثیق کا فیصلہ لیا گیا۔

شیخ صاحب آج پنڈت نہرو کو اُن کی تجویز پر وہ شہرت یاد دلانے لگے۔ جس پر بقول اُن کے دھبّہ لگنے کا احتمال تھا۔ پنڈت نہرو اور ہندوستان کی شہرت کا آج اُنھیں خیال کیسے آیا۔ جبکہ ۱۹۵۱ء میں الیکشن پر شب خون مارنے کے بعد اُنھوں نے خود ہی سلامتی کونسل کے ساتھ کشمیری عوام کو دھوکہ میں رکھ کر گوپالاسوامی آئینگر کے ساتھ ایک سازش کرکے اسمبلی کے ذریعے الحاق کی تائید کا فارمولہ پیش کیا تھا۔ مرارجی ڈیسائی اور مولانا آزاد سے رجوع کیا تھا کہ وہ پنڈت جی

کو میری اِس تجویز پر راضی کرلیں۔ کیونکہ اس وقت اسمبلی میں اکثریت حاصل ہے اور موقع غنیمت ہے۔ حالانکہ اسمبلی کے قیام پر سلامتی کونسل کے اعتراض پر آپ نے کہا تھا۔ اسمبلی میں الحاق کا کوئی مسئلہ نہیں اُٹھایا جائے گا۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے اگر آپ کی تجویز مان کر اسمبلی کے ذریعے بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کی توثیق کرائی ہوتی تو کیا اس وقت اس کارنامے سے ہندوستان کی شہرت میں چار چاند لگ جاتے جبکہ آج اس پر دھبّہ لگ رہا تھا۔

ریاستی اسمبلی میں افتتاحی تقریر کے دوران بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کو حتمی مان کر جب ہندوستان کی شہرت پر آپ کی اس حرکت سے بٹّہ نہیں لگا تو اب کیسا بٹّہ ——— ؟!

حقیقت تو یہ ہے کہ آج شیخ صاحب بے بس تھے اور اسمبلی میں اُن کی حمایت بحال نہیں رہی تھی ورنہ وہ اقتدار بچانے کے لئے پنڈت جواہر لال نہرو کی تجویز مان کر اس پر عملی جامہ پہناتے اور اُن کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کسی بھی حد تک جانے کے لئے تیار ہوجاتے۔

ظاہر ہے مرکزی سرکار نے پہلے اُن کے اُڑنے کے پَر کُتر لئے اور پھر اُن سے کام نہیں گیا تو وہ بھارت کو اُن کی عزّت اور شہرت یاد دلانے لگے۔ پنڈت جی جانتے تھے ہندوستان کی شہرت کی دہائی دینے میں یہ کتنے مخلص ہیں اور اس بارے میں کون کتنے پانی میں ہے۔

پنڈت نہرو شیخ صاحب کے رازدار تھے۔ ان کی خامیوں اور خوبیوں سے پورے طور واقف تھے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ان کے نبض پر اُن کا ہاتھ تھا۔ اُنھوں نے شیخ صاحب سے صاف صاف کہدیا' یا تو ہماری تجویز پر عملی جامہ پہناؤ۔ نہیں تو حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوجاؤ۔

۲۷ جولائی ۱۹۵۳ء کو صدر ریاست ڈاکٹر کرن سنگھ کے نام مرکزی سرکار کی طرف سے خفیہ پیغام بھیجا گیا۔ جس میں انھیں موزوں وقت پر شیخ عبداللہ کو وزارت سے برطرف اور ساتھ ہی گرفتار کرنے کی ہدایت دی گئی تھی۔

۳۱ر جولائی کو پنڈت جواہر لال نہرو نے اس سلسلے میں کابینہ کے ارکان کے ساتھ صلاح مشورہ کرنے کے بعد شری بی۔ این۔ ملک انٹلی جنس کے سربراہ کو اپنی کوٹھی پر بُلایا اور اُن کے سامنے تمام حالات واضح کر کے بتایا۔ اب کوئی چارہ کار نہیں کہ شیخ عبداللہ کو ہٹا کر اس کی جگہ بخشی غلام محمد کو تعینات کیا جائے۔ وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے اس بات کا بھی اظہار کیا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے یہ کاروائی پُرامن طور پر مکمل ہونی چاہیئے۔ البتہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے کسی قسم کی ڈھیل نہیں دی جا سکتی۔


(ڈاکٹر کرن سنگھ)

پنڈت نہرو نے بی۔ این۔ ملک کے سامنے واضح کر دیا کہ شیخ عبداللہ عوام میں بے حد مقبول ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس موقعہ پر شیخ نواز عناصر کا ساتھ پاکستان نواز عناصر بھی دیں گے۔ ہم نے ڈی۔ ڈبلیو۔ مہرہ کو جموں و کشمیر پولیس فورس کی سربراہی سنبھالنے کی ہدایت دی ہے۔ ضرورت پڑنے پر انھیں ناظم اعلیٰ کا منصب بھی سونپا جا سکتا ہے اور اس صورت میں وہ صدر ریاست کے تحت کام کریں گے۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے مسٹر مہرہ کو سرینگر روانہ کرتے وقت ہدایت دی کہ وہ مجھے حالات سے مطلع کرتے رہیں اور اگر رات کو بھی ضرورت پڑے تو ٹیلی فون کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔


(پنڈت جواہر لال نہرو)

پنڈت نہرو نے مہرہ کے ہاتھ سرینگر میں فوج کے کور کمانڈر لفٹیننٹ جنرل ہیرا لال اٹل کے نام ہدایات بھی بھیجدی تھیں۔ اس مشن کی تکمیل کے لئے کرنل بی۔ ایم۔ کول کی خدمات بھی حاصل کر لی گئی تھیں۔ جنھیں نوکری سے برخواست کرنے کے لئے

کبھی شیخ صاحب نے پنڈت نہرو سے سفارش کی تھی۔ دہلی میں پنڈت نہرو کے ساتھ رفیع احمد قدوائی اور اجیت پرساد جین سرینگر ہدایات بھیج رہے تھے اور اِدھر سرینگر میں شیخ عبداللہ اپنی کابینہ کے ارکان کے ساتھ موجودہ صورتِ حال پر تبادلہ خیال اور صلاح مشورہ کر رہے تھے۔

انھوں نے مرکز کے ساتھ صلح صفائی کرنے کے لئے بخشی غلام محمد، مرزا افضل بیگ اور ڈی۔ پی۔ درکو دہلی روانہ کیا۔ مرزا افضل بیگ چند روز دہلی میں قیام کرنے کے بعد واپس سرینگر آ گئے لیکن بخشی غلام محمد اور ڈی۔ پی۔ درکو وہیں روک دیا گیا۔ بخشی غلام محمد اور ڈی۔ پی۔ درا اس دوران رفیع احمد قدوائی اور ڈاکٹر کاٹجو کے ساتھ آپریشن اگست کے بارے میں خفیہ میٹنگیں کرتے رہے۔

رفیع احمد قدوائی نے ایڈیٹر ویکلی "بلٹز" روسی کرنجیا کو دہلی بُلایا اور انھیں اپنے موقر اخبار کے ذریعے شیخ محمد عبداللہ کی دُشمنانہ سرگرمیوں کو طشت از بام کرنے کا مشورہ دیا کہ برطرفی کی صورت میں اُن کے تئیں دوسروں کی ہمدردی کو کم کیا جا سکے۔ وہ ان سے بدلہ کے لیے سخت آتا ولے تھے۔

سرینگر واپس آ کر بخشی غلام محمد نے حالات کا جائزہ لے کر سازش کا جال بچھانا شروع کیا۔ اُن کے ہمنواؤں نے شیخ عبداللہ کے حکموں کی عدولی کرنی شروع کی۔ حکم کی عدولی میں شیام لال صراف پیش پیش رہے۔


(شیام لال صراف)

شیام لال صراف کو ایک کے بعد ایک کیس میں غفلت برتنے پر نہ صرف ڈانٹ پلائی گئی بلکہ ان سے استعفیٰ طلب کیا گیا۔ لیکن اُنھوں نے وزیراعظم کا یہ مطالبہ پائے حقارت سے ٹھکرا دیا اور وہ اس وقت کا انتظار کرنے لگے جب استعفےٰ طلب کرنے والا اپنے عہدے سے برطرف کر دیئے جائیں۔

۸ر اگست کو وزیراعظم صدر ریاست کے پاس اپنی صفائی پیش کرنے گئے لیکن صدر ریاست نے اُن کی کوئی بات سُننے کے بجائے یہ مسئلہ اگلے ہفتے کابینہ کی میٹنگ میں اُٹھانے کا مشورہ دیا۔

اسی روز کسمپرسی کے عالم میں شیخ صاحب اپنی فیملی کے ہمراہ گلمرگ روانہ ہوگئے ان کے ساتھ پرائیویٹ سیکریٹری آر۔سی۔ رینہ، ناظم اطلاعات جانکی ناتھ زتشی اور ڈائرکٹر وزیٹرس بیورو شام لال واٹھ بھی تھے۔

گلمرگ کے کوارٹر میں شیخ صاحب اپنے ماضی کو جھانک کر مستقبل کا جائزہ لے رہے ہوں گے کہ ان کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ شیخ صاحب نے اُٹھ کر دروازہ کھولا تو اُن کے سیکریٹری آر۔سی۔ رینہ نے انھیں اطلاع دی کہ کوارٹر کو فوج نے گھیرے میں لے لیا ہے اور ایل۔ڈی۔ ٹھاکر سپرنٹنڈنٹ پولیس آپ کو گرفتار کرنے آئے ہیں۔

اسی دوران ایل۔ڈی۔ ٹھاکر اندر آئے۔ اُن کے ساتھ صدر ریاست کے ایک اے۔ڈی۔سی بھی تھے۔ جنھوں نے شیخ صاحب کو ایک بند لفافہ پیش کیا۔ شیخ صاحب نے لفافہ کھول کر دیکھا تو یہ اُن کی وزارت اعظمیٰ سے برخواستگی کا حکم تھا۔ اس کے بعد شیخ صاحب کو ایک اور لفافہ دیا گیا۔ جس میں کابینہ کے ارکان کی طرف سے ان پر عدم اعتماد کا میمورنڈم تھا۔ یہ دونوں خطوط پڑھ کر شیخ عبداللہ پر گویا سکتہ سا طاری ہوگیا۔ کچھ دیر سنبھلنے کے بعد اُنھوں نے ایل۔ڈی۔ ٹھاکر سے کہا۔

"صدر ریاست کو مجھے وزارت سے برطرف کرنے کا کوئی آئینی اختیار نہیں ہے اور میں اب بھی ریاست کا وزیر اعظم ہوں اور آپ خود میرے ماتحت ایس۔پی پولیس ہیں۔ آپ کو بھی کوئی اختیار نہیں کہ آپ میرے ساتھ اس طرح کی گفتگو کریں۔"

ایل۔ڈی۔ ٹھاکر نے باہر پھیلائی گئی فوج کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"شیخ صاحب! یہ میری طاقت اور میرا اختیار بھی ہے۔"

حالات کی نزاکت دیکھ کر شیخ صاحب نے سپر ڈال دی۔ البتہ اُنھوں نے ٹھاکر صاحب کے سامنے کچھ دیر کی مہلت مانگی۔

دہلی میں جواہر لال کی کوٹھی پر رفیع احمد قدوائی اور اجیت پرساد جین آپریشن اگست کے بارے میں اطلاعات وصول کر رہے تھے۔ اسی کوٹھی کے دوسرے حصّے سے بی۔این۔ ملک مسٹر مہرہ کو ضروری ہدایات فراہم کر رہے تھے۔

صبح چار بجے جب نئی دہلی کے پرائم منسٹر ہاؤس میں شیخ عبداللہ کی برطرفی اور گرفتاری کی اطلاع پہنچ گئی تو وہاں کئی گھنٹوں کا اضطراب کا عالم ختم ہوگیا۔

شیخ محمد عبداللہ ابھی اسیری کے عالم میں ہی تھے کہ سرینگر میں بخشی غلام محمد نے ریاست جموں وکشمیر کے وزیر اعظم کا منصب سنبھالا۔

۹ر اگست کی صبح کو شیخ عبداللہ ایک گاڑی میں بٹھاکر فوجی نرغے میں روانہ کئے گئے۔ کرنل بی۔ایم۔کول نارہ بل کے پاس اس کاروان کا انتظار کر رہے تھے۔ یہاں پر ایل۔ڈی۔ ٹھاکر نے کرنل کول سے کچھ ضروری ہدایات حاصل کرلیں۔

یہاں سے کارواں بانہال کی طرف روانہ ہوگیا۔

دن کے بارہ بجے معذول وزیر اعظم اور دوسرے ارکان نے بانہال کے ڈاک بنگلے میں کھانا کھایا۔ بانہال سے روانگی پر شیخ صاحب سے کور کمانڈر ہیرالال اٹل ملنے آئے اور انھیں کھانے پینے کی کچھ اشیاء پیش کیں۔ جنھیں شیخ صاحب نے لینے سے انکار کیا۔ سہ پہر کو یہ کارواں اودھم پور کی سب جیل کے سامنے رُک گیا۔ شیخ صاحب جس کار میں سوار تھے اُسے جیل کے گیٹ پر روک دیا گیا اور انھیں غلام محی الدین قرہ اور ان کے دیگر ساتھیوں کا درشن کرایا گیا۔ جن کو شیخ صاحب نے سہہ پار کے قریب ایک جلسہ کے دوران پاکستان کی حمایت میں بولنے کی پاداش میں گرفتار کروایا تھا۔ اس درشن کے بعد گاڑی کو یہاں سے نکال کر مہاراجہ ہری سنگھ کے محل تارا نواس پہنچایا گیا اور پہلے مرحلے پر اُنھیں اسی محل میں محبوس رکھدیا گیا۔

صبح سویرے جب شیخ صاحب کی برطرفی اور گرفتاری کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تو دیکھتے ہی دیکھتے سارا وادی خون ریز فسادات کی لپیٹ میں آگئی۔ وادی کے چپے چپے میں دنگا فساد اور مظاہرے شروع ہوگئے۔ یہ خون ریز فسادات، جس میں سینکڑوں قیمتی جانیں ضائع ہوگئیں۔ ایک مہینے تک جاری رہے۔ اس کے بعد، ان فسادات کی رفتار کچھ مدھم پڑ گئی۔ البتہ فسادات کو مکمل طور پر روکنے میں حکومت ناکام رہی۔

بخشی دور حکومت کی طرف سے مار دھاڑ، قید و بند اور ظلم و جبر کی تمام حدود پار کرکے شورش دبانے کے لئے سخت گیر اقدام کئے گئے۔

بخشی وزارت کے خلاف عوامی غیض وغضب اور نفرت کو فرو کرنے کے لئے عوام پر یلغار کی گئی کہ آج بھی جب اس کا تصور کیا جاتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ کشمیری عوام پر ظلم وستم کے ایسے پہاڑ توڑے گئے کہ ان کو ضبط تحریر میں بھی نہیں

لایا جاسکتا، کشمیری عوام کے احتجاج کو دبانے اور اُنھیں کچل کر رکھ دینے کے لئے وہ سب حربے استعمال میں لائے گئے جن کے حقوق ہلاکو اور چنگیز کے پاس محفوظ تھے۔

شیخ عبداللہ کی برطرفی اور گرفتاری کے بعد مرکزی سرکار اور ریاستی سرکار نے اُن کے خلاف مختلف الزامات لگا کر اُن کی شبیہ مسخ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا لیکن عام لوگوں نے اس کا کوئی اثر قبول نہیں کیا۔

بحیثیت ایک لیڈر اور ایک حکمران کے جب ہم شیخ محمد عبداللہ کی سیاسی زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں تو وہ اُن تمام الزامات جو اُن پر لگائے جارہے تھے اور جن الزامات کو ہندوستان اپنے نقطۂ نظر سے دیکھ رہا تھا اور پاکستان اپنے نظریئے سے اُبھار رہا تھا۔ اِن الزامات کے وہ بجا طور پر مستحق تھے۔

کشمیری عوام کے سامنے شیخ محمد عبداللہ ایک ایسا رہبر تھا۔ جنھوں نے اُن کی رہبری کی تھی۔

شیخ محمد عبداللہ نے حکمران بن کر جہاں بعض اچھے کام کئے وہاں وہ عوام کے لئے نت نئی مصیبت کا کارن بھی بن گئے۔ اُنھوں نے اپنی ایک خواہش کے لئے لاکھوں لوگوں کی خواہشیں قربان کردی تھیں۔ اپنی چاہت کے لئے اُنھوں نے لاکھوں کی چاہتیں مٹادی تھیں۔

۱۹۳۱ء سے لے کر ۱۹۵۳ء تک عوام کے سامنے شیخ محمد عبداللہ کے تمام کے تمام کارنامے روزِ روشن کی طرح عیاں تھے اور اس روشنی میں وہ شیخ محمد عبداللہ جیسے لیڈر کو سمجھنے میں غلطی نہیں کرسکتے تھے۔ لیکن اُن کی معذولی اور گرفتاری پر کشمیری عوام ایک زبردست غلط فہمی کا شکار ہوگئے۔

شیخ صاحب کی معذولی اور گرفتاری پر کشمیری قوم یہ سمجھ بیٹھی کہ ان کا رہنما اور حاکم اعلیٰ ہندوستان کے ساتھ عارضی الحاق کرچکا تھا جس کو وہ حتمی بنانا چاہتے تھے مگر یہ رکاوٹ بن گئے تھے۔

ایک غلط فہمی یہ بھی تھی کہ شیخ صاحب رائے شماری کرانا چاہتے تھے اور ہندوستان کرنے نہیں دیتا تھا۔ وہ مُلک کشمیر کو آزاد اور خودمختار رکھنا چاہتے تھے لیکن ہندوستان اس کے خلاف تھا۔

شیخ صاحب کی جولائی اور اگست مہینے کی چند تقریریں اور ریڈیو براڈ کاسٹ

عوام کے لئے ان غلط فہمیوں کا کارن بن گیا۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ الحاق کے بارے میں شیخ عبداللہ اور پنڈت نہرو بالکل متفق تھے اور اچھی طرح جانتے تھے الحاق کے بارے میں ہمیں کیا کیا کہنا اور کرنا ہے۔ الحاق کے حتمی ہونے اور ناقابلِ تنسیخ کہنے کی جتنی قسمیں شیخ صاحب نے پچھلے آٹھ سال کے دوران کھائیں۔ اُن کا کوئی حساب نہیں۔

رہی بات رائے شماری اور خودمختاری کی، اس کے شیخ صاحب جتنے دُشمن تھے۔ اتنے ہندوستان کے حکمران بھی نہیں تھے۔ اُن کے بارے میں وادی کے طول وعرض میں غلط فہمی ایسی پھیل گئی کہ مرکزی سرکار کی طرف سے ان کے خلاف کی گئی کاروائی سے اُن کے تمام گناہ دُھل گئے اور وہ کشمیری عوام کے سامنے ایک فرشتہ بن گئے۔ وہ بھارت کے خلاف تحریک کے ایک سپاہ سالار بن گئے۔

شیخ محمد عبداللہ میدانِ سیاست میں اُترتے ہی سیاسی عظمت حاصل کرچکے تھے۔ ڈوگرہ شاہی سے ٹکرلے کر اُنھوں نے اپنی جرأت، بے باکی اور نڈرتا منوائی تھی۔ انھوں نے ایک ایسے وقت میں زبان کھولنے کی جرأت کی جب زبان کھولنے کے جرم میں زبان ہی کاٹ لی جاتی تھی۔ اُنھوں نے ایک ایسے معاشرے میں اصلاح کی بات کی جس میں اس قسم کے نظریئے کو بغاوت سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اُنھوں نے ایک ایسے نظام کو بدلنے کی کوشش کی جو استبداد اور استحصال کی مستحکم بنیادوں پر قائم تھا۔

اُنھوں نے اندھیری راتوں میں صبح کی تمنا کی تھی۔ جب صبح کی روشنی کی طلب ایک جرم تصوّر کی جاتی تھی۔

ان سب باتوں کو ملحوظِ خاطر رکھ کر قوم نے انھیں سر آنکھوں پر بٹھادیا اور اُنھیں اپنا سارا اعتماد دیا۔ وہ ریاستی عوام کی اُمیدوں اور آرزوؤں کے سالارِ کارواں بن گئے۔

حکمران بنتے ہی وہ جس روپ میں عوام کے سامنے آگئے۔ وہ بالکل مختلف روپ تھا۔ وہ عوام کے خیالات اور نظریات کے ساتھ کوئی میل نہیں رکھتے تھے۔

کہنے میں تو وہ عوام کی بہبودی کے لئے بہت کچھ کہا کرتے تھے۔ لیکن عملی طور پر اس کے بالکل برعکس کیا کرتے تھے۔

اپنے محبوب لیڈر اور سب سے بڑے حاکم کے کرتوت سے ریاست کے سنجیدہ لوگ

شرمندگی کے عالم میں دور سے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ عام لوگ اپنی قسمت کو کوس رہے تھے اچانک حاکمِ اعلیٰ کی برطرفی اور گرفتاری نے اُن کی تمام خامیاں، خوبیوں میں بدل دیں۔ وہ کشمیری عوام کے پاس پاک ذات اور پاک صفات کا ایک مکمل پیکر بن گئے۔

کشمیری عوام کی تمنّائیں چھین کر شیخ عبداللہ اب تک جن کی خوشنودی حاصل کر رہے تھے۔ وہ بھی اُن کے کارنامے دیکھ کر ان سے وفا نہ کر سکے۔ مرکزی سرکار نے اُنھیں گرفتار کر کے بظاہر ان سے ان کے کرتوت کا انتقام لیا لیکن اس طرح کی کاروائی سے وہ کشمیری عوام کے بے باک اور بے لاگ لیڈر بن گئے۔

مرکزی سرکار کے آپریشن سے کشمیری عوام کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ ہمارا سالارِ کارواں اپنے کارواں کو منزل کی طرف لے جا رہا تھا کہ غاصبوں نے ان پر شب خون مار کر سارا کارواں لوٹ لیا۔ سمجھ گے اس پھیر نے شیخ صاحب کو عوام کے سامنے نعوذ باللہ پیغمبر بنا دیا۔

چنانچہ اس نقلی پیغمبر کے لئے عوام نے جو قربانیاں دیں ان کو دہرانے کے لئے الگ ایک کتاب کی ضرورت ہے۔

پورے ۲۲ برس تک قوم نے جو قربانیاں دیں اس پر ان کے محبوب لیڈر نے یہ کہہ کر پانی پھیر دیا کہ "ہمارے درمیان کچھ غلط فہمیاں تھیں جو دور ہو گئیں"۔

شیخ محمد عبداللہ کو اودھم پور کے تارا نواس سے نکال کر ایک پُر فضا مقام پر خوبصورت بنگلے میں منتقل کیا گیا تو اُنھیں پتہ چلا شاید مجھے یہاں طویل عرصے تک رکھا جائے گا۔

کل تک وزیرِ اعظم شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ عوام پر راج تاج کر رہے تھے اور وہ آج پُر فضا مقام پر خوبصورت بنگلے میں ہی سہی ایک قیدی کی حیثیت میں عوام سے دُور تھے۔

حالات اور واقعات شاہد ہیں کہ ۱۹۳۶ء سے لے کر ۱۹۵۲ء کے اختتام تک اُنھوں نے جو بھی کام کیا وہ بھارت کے حق میں کیا اور اس کے لئے اُنھوں نے نہ کشمیر کے پچاس لاکھ لوگوں کی پرواہ کی نہ اپنے ساتھیوں کو خاطر میں لایا اور نہ ہی انجمن اقوامِ متحدہ کے ساتھ دُنیا کا کچھ خیال کیا۔ اُنھوں نے ساری دُنیا کو ایک طرف رکھ کر اپنی مرضی کو پروان چڑھایا۔ اُنھوں نے اپنا فیصلہ بھارت کے حق میں سُنا دیا۔

اس کے باوجود بھی وہ بھارتی بنے نہ بھارتی رہے ــــ بھارت کے بارے میں سارا کام کرنے اور بھارت کو تن اور من سے اپنانے کے باوجود وہ بھارت کے نہ بن سکے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ وہ سچّے دل سے نہیں بلکہ کسی مجبوری کے کارن بھارتی بنے تھے۔ ایسی بات نہ ہوتی تو وہ محمد علی جناح کے سامنے اس بات کا ہرگز اقرار نہ کرتے کہ۔

"مجھے ان ہندوؤں کے ساتھ کوئی سروکار نہیں، ہیں ان کی صفوں میں انھیں دھوکہ دینے کے لئے گھُس آیا ہوں۔"

شیخ محمد عبداللہ اگر سچّے دل سے بھارتی ہوتے تو بھارت کے خلاف انگریزوں سے مل کر سازش نہیں کرتے ــــ ہاں! اگر اُنھوں نے خلوصِ دل سے یہی ایک گناہ کیا ہوتا اور ریاست کو آزاد و خود مختار رکھنے کا فیصلہ لیا ہوتا تو آزادی کے چالیس برسوں کے بعد بھی ہم بجلی کی روشنی سے محروم ہو کر اندھیروں میں نہ بھٹک رہے ہوتے، ہم پیاس بجھانے کے لئے پانی کے لئے ترس نہیں رہے ہوتے۔ ہماری سڑکوں اور گلی کوچوں کی یہ ابتر حالت نہ ہوتی، ہمارے رہن سہن کا معیار اس قدر پست نہ ہوتا، وادی میں چرس کی پیداوار نہ ہوتی، قالین اور دستکاری کے ساتھ ٹورسٹ انڈسٹری نہ ہوتی تو ہماری حالت اس سے بھی گئی گزری ہوتی، مرکز کی طرف سے ہمیں جو گرانٹ اور ایڈ ملتی ہے وہ ساری کی ساری عوامی بہبود کے کاموں میں صرف ہونے کے بجائے ایک تو قرضہ کی ادائیگی میں چلی جاتی ہے۔ دوسری لوٹ کھسوٹ کی نذر ہو جاتی ہے۔

بھارت کے بارے میں شیخ عبداللہ کا خود یہ نظریہ تھا۔ "بھارت ایک قدامت پرست مُلک ہے۔ بھارت کے ساتھ رہ کر کشمیر کوئی ترقی نہیں کر سکتا کیونکہ بھارت کے کئی صوبے اور کئی ریاستیں اتنی پسماندہ ہیں کہ ہماری طرف بہت کم توجہ دے سکیں گے"۔

بھارت کشمیر کی بدولت جو بیرونی سیاحوں سے زرِ مبادلہ کماتا ہے اور جس پر ہمارا بھی ادھیکار بنتا ہے۔ اگر مرکزی سرکار ہمیں یہ ادھیکار دیتا تو اس سے ہم کم از کم وہ قرضہ ہی اُتار سکتے جو سالانہ بجٹ میں سے ہمیں مرکز کو دینا پڑتا ہے۔ آج ہماری یہ حالت ہے کہ جھیل ڈل اور جھیل وُلر کو محفوظ رکھنے کے لئے یورپین ممالک سے ہم بھیک مانگ رہے ہیں اور یہ بھیک بھی ہمیں نہیں ملتی۔ جس ہندوستان کے لئے شیخ عبداللہ اور اُن کے ولی عہد ڈاکٹر فاروق نے سب کچھ وقف کر دیا۔ وہ ہندوستان کشمیر میں کارخانے لگانے

کے لئے کبھی راضی نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ مرکزی سرکار کے اپنے محکموں میں مسلمانوں کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ شیخ عبداللہ اور اُن کے جانشین کو بار بار اس بات کا شکوہ کرنا پڑا کہ مرکز اپنے محکموں میں مسلمانوں کو مناسب نمائندگی نہیں دے رہی ہے۔ ہندوستان کے صنعت کار کشمیر میں صنعتی کارخانے لگانے کے لئے راضی نہیں ہو رہے ہیں۔ حالانکہ اس کے لئے ہم اُنھیں جو مراعات اور سہولیات دے رہے ہیں اور کوئی نہیں دے سکتا۔

ہندوستان ہمیں شک کی نظروں سے دیکھ رہا ہے اور پاکستان کی نظروں میں ہم برہمن زادے ہیں — کوئی ہم سے راضی نہیں۔

ستم ظریفی تو یہ ہے کہ جن انگریزوں نے شیخ صاحب کو "خود مختار کشمیر" دُنیا کا خوشحال اور نمونے کا خطہ بنانے کا یقین دلایا اور اس کے لئے اپنا تن من اور دھن دینے کا وعدہ کیا۔ وہ اُن انگریزوں کا بھی نہیں بن سکا۔

وہ نہ پاکستان کا رہ سکا اور نہ ہندوستان کو اپنا سکا۔

ریاست کو اُنھوں نے "خود مختار ملک" بننے نہیں دیا، یہاں انھوں نے رائے شماری کرانے نہیں دی، کشمیر کو مہاراجہ ہری سنگھ اور رام چند کاک کا خواب "سوئزر لینڈ" بنانے نہیں دیا۔

"خود مختار کشمیر" کے بارے میں کاک کی یہ دلیل تھی کہ کشمیر اپنی قدرتی معدنی وسائل، جنگلات، سیاحت، میوہ، زراعت، دستکاریوں اور دیگر ذرائیوں کی بنا پر اقتصادی طور پر خود کفیل بن سکتا ہے۔ بشرطیکہ اُسے آزاد فضا میں اقتصادی دائرے میں سانس لینے کا موقعہ دیا جائے۔ فوجی لحاظ سے کشمیر کو سوئزرلینڈ کی طرح اپنی خارجی پالیسی ترتیب دینی ہوگی جو گزشتہ دو مہلک جنگوں میں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوا ہے۔ اگر نیپال جیسا ملک جہاں تا حال میونسپلٹی تک قائم نہیں ہوئی آزاد رہ سکتا ہے تو جموں وکشمیر کی ریاست جو نیپال جیسے خود مختار ملک سے انتظامیہ کے شعبوں میں آج بھی کہیں آگے ہے۔ خود مختار کیوں نہیں رہ سکتا۔

کشمیری عوام نے اپنے لیڈر کے بہکاوے میں آکر تعصب، تنگ نظری اور

شخص پرستی میں اندھے ہو کر اپنی ناسمجھی اور نادانی کا مظاہرہ کر کے مہاراجہ ہری سنگھ اور رام چند کاک جیسے مخلص آسمان کو تھوکا اور یہ تھوک اُوپر سے آکر ہم پر ہی گری ہے۔

شیخ عبداللہ نے ہمیں شخصی راج سے نجات ضرور دلادی لیکن وہ ہمیں عوامی راج نہ دے سکے۔

اُنھوں نے ہمیں اظہارِ رائے دیا لیکن اختیار چھین لیا۔ اُنھوں نے ہمیں اسمبلی دی لیکن اس کا تقدس لیا۔

سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اُنھوں نے کشمیری عوام کی آرزو، تمنّا اور چاہت چھین لی اور جن کی خوشنودی کے لئے یہ سب کیا وہ بھی آج ان کے نہیں۔ آج انھوں نے اسے اقتدار سے برطرف کر کے قیدی بنا دیا۔

بھارت کا کہنا ہے شیخ عبداللہ نے ہم سے دھوکہ کیا۔ پاکستان کہہ رہا ہے شیخ عبداللہ نے ہمیں فریب دیا لیکن کشمیری عوام تو دونوں — دھوکہ اور فریب کھا گئے۔

۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۵۳ء تک اقتدار کے سات آٹھ سال میں شیخ محمد عبداللہ کو جن حالات سے گزرنا پڑا۔ اس کی تفصیلات کما حقہ بیان ہو چکی ہے۔ اقتدار سے قبل اور اقتدار کے دوران جو طریقۂ کار ان کا اپنے قریبی ساتھیوں کے ساتھ رہا اور جو سلوک اُن کے ساتھ کیا گیا۔ اس کی وجہ سے سب ایک ایک کر کے ان سے علیحدہ ہو گئے۔ کسی کو زبردستی علیحدہ کیا گیا۔ کسی کو مکھن میں سے بال کی طرح نکالا گیا۔ جس کے ساتھ جو چاہا سلوک کیا گیا۔ کتنے ہی قریبی ساتھیوں کے ساتھ ظالمانہ اور سفاکانہ برتاؤ بھی کیا گیا۔ ان کا اگر کسی نے ہر حالت میں بھرپور ساتھ اور مکمل اعتماد دیا تو صرف عوام نے جن کی اپنی کوئی سوچ اور نہ اپروچ تھی۔ اُن پڑھے لکھے لوگوں نے دیا جنھوں نے اپنے ذاتی مفاد کے لئے نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ کے پاس اپنا ذہن اور ضمیر گروی رکھ دیا تھا۔

عوام کی طرف سے بھرپور اعتماد ملنے کے باوجود بھی انھوں نے ہمیشہ عوامی مفاد پر اپنے مفاد کو ترجیح دی۔ ذاتی تسکین کے لئے اُنھوں نے دوسروں کی رائے کی کوئی پرواہ نہیں کی — ایک پنڈت نہرو کی دوستی کی خاطر اُنھوں نے اپنے سینکڑوں دوست قربان کر دیئے۔ پنڈت نہرو کی خوشی اور چاہت کی خاطر اُنھوں نے تحریک کو

بھینٹ چڑھا کر تاریخ کا رُخ موڑ دیا۔

آج شیخ صاحب اُن پنڈت نہرو کے بھی نہیں رہے جن کے بارے میں یکم مارچ ۱۹۵۰ء کو اُن کے اعزاز میں ایک تقریب میں فرمایا تھا:

"جمہوریہ ہند کا پہلا وزیراعظم کشمیر ہی کا ایک فرزند یعنی پنڈت نہرو۔ اس پر کشمیری جس قدر فخر کریں کم ہے کشمیر کے اس قابل صد احترام فرزند نے انگریزوں کے چلے جانے کے بعد پاکستان کے پنجے سے کشمیر کو چھُڑا کر ہر کشمیری کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ایشیا کا یہ عظیم ترین انسان مستقبل میں اپنے ملک ہندوستان اور اپنے آبائی وطن کشمر کا نام دُنیا میں اور بھی بلند کرے گا — ہندوستان کا جوہر اور کشمیر کا لال ایک میرا یار ہے۔"



(پنڈت جواہر لال نہرو اور شیخ محمد عبداللہ)

آج پنڈت نہرو کہہ رہے ہیں شیخ عبداللہ نے میری پیٹھ میں چھرا گھونپ کر میرے ساتھ وشواس گھات کیا اور شیخ محمد عبداللہ اپنے یار پنڈت جواہر لال پر بالکل یہی الزام لگا رہے ہیں۔

کون کس کی پیٹھ میں چھُرا گھونپ رہا ہے —؟ اس کا فیصلہ تو وقت کرے گا۔ لیکن دونوں طرف کی اس چھرے بازی میں زخمی صرف کشمیر ہو رہا ہے۔ کشمیر کے جسم سے خون بہہ رہا ہے۔

حالات اور واقعات شاہد ہیں کہ شیخ محمد عبداللہ آج جس انجام کو پہنچ گئے ہیں۔ یہ قانونِ قدرت کا اُن کے حق میں ایک اہم فیصلہ ہے اور قدرت نے اُن کے

حق میں یہ فیصلہ اُنہی دنوں لکھ دیا، جن دنوں وہ کشمیر کے حاکمِ اعلیٰ بن گئے۔

کشمیری عوام شیخ محمد عبداللہ کو اپنا لیڈر، اپنا محسن اور ہمدرد سمجھ کر یہ فیصلہ کر چکے تھے۔ یہ ہمارے ساتھ کبھی دھوکہ نہیں کریں گے لیکن اُنھوں نے کشمیری عوام کے ساتھ جو دھوکہ کیا۔ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

بھارت کے لیڈر اُنھیں اپنا سچا دوست سمجھ رہے تھے۔ پاکستان کے رہنما اُنھیں اپنا حامی جان رہے تھے۔ لیکن شیخ محمد عبداللہ نہ کشمیریوں کے ہمدرد تھے نہ پاکستان کے حامی اور نہ ہی ہندوستان کے دوست، اگر وہ حامی، ہمدرد اور دوست تھے تو صرف اپنے مفادات کے ——— اور بس!



شیخ محمد عبداللہ کو ہندوستان کے کاز کی حمایت کرنے کے لیے سلامتی کونسل میں بھیجنے پر پنڈت جواہر لال نہرو، سردار پٹیل اور آچاریہ کرپلانی خوشی سے پھولے نہیں سماتے ہیں۔

سحر فریب ہیں یہ مہر و ماہ جھوٹے ہیں
شکستِ شام کا وقت مرے نیلام میں ہے

کشمیر کو فروخت کرنے کا معاہدہ

بیعنامۂ دہلی

میری تاریخ کشمیر کے پس منظر میں لکھی گئی کتاب "یہ کس کا لہو ہے کون مرا" کے اجرا پر جب اس کتاب کا دور دور تک چرچا ہوا تو اس قسم کی جرأت مند کتاب لکھنے پر میرے گھر آکر مجھے ذاتی طور پر مبارک باد دینے والوں میں ایک علی محمد ناوچو ساکنہ بڑھ پورہ بھی تھا۔ اُنھوں نے دوران گفتگو مجھ سے کہا آپ سے ملنے کے لئے کئی اصحاب خواہشمند ہیں۔ جن میں ایک سابقہ چیف سیکریٹری پیرزادہ غلام احمد شونٹھو بھی ہے۔ میں نے ناوچو صاحب سے کہدیا۔ اگر ایسے اصحاب مجھ سے ملنے کی خواہش رکھتے ہیں تو میں ضرور اُن سے نیاز حاصل کروں گا۔ کیونکہ ایسے بزرگوں سے مل کر مجھے یقیناً خوشی حاصل ہوگی۔ اس دوران مجھے اپنی کتاب کے ایک کے بعد ایک ایڈیشن چھاپنے کے سلسلے میں جب دہلی جانا ہوا تو وہاں پر مجھے کئی اصحاب سے ملایا گیا۔ جنھوں نے کشمیر کی سیاست پر میری معلومات میں زبردست اضافہ کیا۔ بلکہ کچھ ایسا مواد بھی فراہم کیا جو میرے اس پروجیکٹ میں بہت کام آیا۔

دہلی کے قیام کے دوران میں نے نامور صحافی جمنا داس اختر سے اُن کی کوٹھی پر کئی ملاقاتیں کیں، اور کشمیر کی سیاسی تحریک کے بارے میں کافی مواد حاصل کر لیا۔ جمنا داس اختر سے ملاقات کے دوران مجھے کئی برگزیدہ اشخاص سے ملایا گیا اور جب میرے سامنے اس بات کا انکشاف ہوا ہے کہ کشمیر کے باشندگان کو اُن کی زمین وجائیداد کے ساتھ صرف چار چار آنے میں فروخت کیا گیا ہے تو کچھ دیر کے لئے مجھ پر سکتہ سا طاری ہوگیا ہے۔

اور جب مجھ سے کہا گیا۔ اس بات کے گواہ سابقہ چیف سیکریٹری پیرزادہ غلام احمد شونٹھو ہیں تو میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ سرینگر واپس آکر سب سے پہلے میں علی محمد ناوچو کے پاس گیا اور انھیں شونٹھو صاحب کے پاس ساتھ آنے کو کہا۔

مقررہ تاریخ پر ہم شونٹھو صاحب کے ہاں جانے لگے تو ناوچو صاحب نے پہلے مجھے تحریکِ آزادی کے ایک مجاہد غلام محمد چکن کے پاس لیا۔ یہاں میری معلومات میں اضافہ کرنے کے بعد جب ہم تینوں شونٹھو صاحب کی کوٹھی پر آئے تو ناوچو صاحب نے شونٹھو صاحب سے میرا تعارف کرایا۔ شونٹھو صاحب نے میری بڑی آؤ بھگت کی اور اس بات کا اظہار کیا کہ میں آپ سے ملنے کا آرزومند تھا۔ کیونکہ آپ کی کتاب نے آپ سے ملنے کا اشتیاق بڑھا دیا۔ لیکن میں کہے دیتا ہوں آپ کو بہت کچھ معلوم نہیں۔"

"ہو بھی کیسے سکتا ہے؟" میں نے جواب دیا۔ "ویسے میں آج آپ کی خدمت میں ایک خاص واقعہ کے بارے میں تصدیق کے لئے حاضر ہوا ہوں۔"

انھوں نے واقعہ پوچھا۔ تو میں نے بتایا۔

"وہ ہیرے اور جواہرات کی چوری کا واقعہ جس کا کشمیر کی سیاست کے ساتھ گہرا واسطہ ہے یا یوں کہئے کہ ان چوری کے ہیروں اور جواہرات نے کشمیری قوم کی تقدیر بدل دی ہے۔ کشمیری قوم کا مستقبل بدل دیا ہے — آپ اس واقعہ سے واقف ہیں۔"

میری زبان سے ایسا سن کر چکن صاحب، ناوچو صاحب اور بھی ڈوگرہ اصحاب جنھیں میں نہیں جانتا۔ جو یہاں بیٹھے تھے حیران ہو گئے۔ صرف شونٹھو صاحب زیرِ لب مسکرا کر بولے۔

"ہاں! میں اُس واقعہ سے کماحقہ واقف ہوں لیکن ہیرے اور جواہرات کی چوری میں شریک نہیں ہوں — میں تو یہی کہہ سکتا ہوں اس واقعہ نے کشمیر کے شیر کو دلی میں گیدڑ بنا دیا۔"

شونٹھو صاحب نے مجھے اس واقعے کی کچھ تفصیلات بتا کر مجھ سے کہا۔ اس کی مزید تفصیلات آپ کو بمبئی میں مہاراجہ اندور کے بیٹے مسٹر رچرڈ سے مل سکتی ہیں جو مہاراجہ اندور کی انگریز بیوی لیڈی "فے" سے ہوا ہے۔

چنانچہ مسٹر رچرڈ سے ملنے کے لئے مجھے دہلی اور بمبئی کے کئی چکر لگانے پڑے۔

اس ساری دوڑ دھوپ کے بعد میں اس بارے میں جو کچھ حاصل کر چکا ہوں، حاضرِ خدمت ہے

ریاست جموں و کشمیر کا حاکمِ اعلیٰ بنتے ہی شیخ محمد عبداللہ نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار اپنے سالے کرنل غلام قادر عرف ہیری ہنڈو کی خاطر کشمیری قوم کے ساتھ جو سلوک کیا — وہ تاریخ کا ایک ایسا باب بن گیا ہے۔ جس باب کو جب بھی کوئی کھول کر دیکھے گا تو کشمیری قوم کی تقدیر پر دو آنسو ضرور بہائے گا۔



(شیخ محمد عبداللہ)

کشمیر کے چالیس لاکھ لوگوں کا مقدر بدلنے کے لئے ایک غلام قادر کا وجود بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

کرنل غلام قادر اگر شیخ عبداللہ کا برادرِ نسبتی نہیں ہوتا تو کیا کشمیر آزاد ہو گیا ہوتا ہے — ؟

اگر شیخ محمد عبداللہ کرنل غلام قادر کے رشتے میں نہیں ہوتے تو کیا یہاں لوگوں کی رائے معلوم کرنے کے لئے استصواب ہوا ہوتا — ؟

شیخ محمد عبداللہ کی سیاسی زندگی اور تحریکِ آزادی میں اُن کا رول مدِ نظر رکھ کر اُن کے نظریات اور طریقۂ کار پر کم از کم ہر ایک کو جو حیرت ہوتی ہے اس کی وجہ کیا ہے — ؟

شیخ محمد عبداللہ ایک طرف اور ساری خلقت، دوسری طرف شیخ صاحب آخر چاہتے کیا تھے — ؟

کیا شیخ عبداللہ کشمیری عوام کی خواہش سے بے خبر تھے — ؟

کیا شیخ عبداللہ واقعی سچے ہندوستانی تھے — ؟

کیا اُن کے دل میں واقعی پاکستان کی نفرت تھی — ؟

کیا شیخ صاحب واقعی ریاست میں رائے شماری کے خلاف تھے — ؟

شیخ عبداللہ اگر عوام کی آزادی کے لئے میدانِ کارزار میں اُتر گئے تو پھر وہ اس آزادی میں رکاوٹ کیوں بن گئے — ؟

مسئلہ کشمیر سلجھانے کے لئے وہ سلامتی کونسل میں ایک دیوار کیوں بن گئے؟

یہ ایسے سوالات ہیں جن کا جواب ہمیں ایک جاسوسی کہانی میں مل جاتے ہیں اور اس جاسوسی کہانی کا ایک اہم کردار کرنل غلام قادر ہے۔

کشمیر کی تاریخ کا رُخ موڑنے اور ہندوستان کے نقشے میں کشمیر کو بطور تاج فٹ کرنے میں جس شخص نے یہ کارنامہ انجام دیا وہ کرنل غلام قادر عرف ہیری نیڈو ہے۔

کرنل غلام قادر ریاست اندور کے مہاراجہ ہولکر کے دربار میں وزیر کے عہدے پر تعینات تھے۔ وہ مہاراجہ اندور کے مشیر بھی تھے۔ مہارانی لیڈی فے کے ہم وطن ہونے کے ناطے وہ مہاراجہ اور مہارانی کے قریب رہتے تھے۔ دوسری ریاستوں کے ساتھ اندور میں بھی راج تاج ختم ہونے کے بعد وہ مہاراجہ کا حقِ نمک ادا کرنے لگا تھا۔

اُنھوں نے مہاراجہ اندور کے کچھ قیمتی ہیرے اور جواہرات چرائے تھے۔

اور ان ہیرے اور جواہرات کو لے کر وہ امریکہ جا رہے تھے کہ ہوائی اڈے پر تلاشی کے دوران ان سے یہ ہیرے اور جواہرات برآمد کر لئے گئے اور اُنھیں نظر بند کر دیا گیا۔

شیخ عبداللہ کو اس کی اطلاع مل گئی تو وہ پریشانی کی حالت میں دہلی روانہ ہو گئے۔ انھوں نے اپنے ساتھ چیف سیکریٹری پیرزادہ غلام احمد شونٹھو کو بھی لیا۔

دہلی پہنچتے ہی شیخ محمد عبداللہ پنڈت جواہر لال نہرو سے ملے اور ان سے کرنل غلام قادر کو بچانے کے لئے مہاراجہ اندور کے پاس سفارش کرنے کو کہا۔ کیونکہ شیخ صاحب جانتے تھے مہاراجی ختم ہونے کے بعد وہ ان کے رحم وکرم پر ہیں۔

پنڈت نہرو نے مختلف بہانوں سے ٹال کر اُنھیں اس کام کے لئے سردار پٹیل کے پاس بھیج دیا۔ سردار نے شیخ صاحب سے صاف صاف کہہ دیا۔ میں اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ پنڈت جی اگر کچھ کریں تو کر سکتے ہیں۔ اُنھوں نے یہ بھی کہہ دیا۔ اگر کرنل غلام قادر نے چوری کی ہے تو وہ اس کی سزا ضرور پائے گا ——— ہم انھیں کیوں بچائیں۔

سردار پٹیل کا لب و لہجہ دیکھ کر شیخ صاحب مایوس ہو کر پنڈت نہرو کے پاس دوبارہ گئے اور انھیں اس مسئلے میں مداخلت کرنے کے لئے اُن کی منت زاری کی۔

پنڈت نہرو نے ایک بار پھر وہی جواب دیا۔ آپ اس کام کے لئے سردار پٹیل کو راضی کر لیں۔ اِس بار شیخ صاحب کی استدعا پر پنڈت جی نے سردار پٹیل کو سفارشی فون کیا۔

سردار کے پاس دوبارہ جانے سے قبل شیخ صاحب مولانا آزاد کے پاس گئے تاکہ اُن کی بھی سفارش حاصل کر سکیں لیکن مولانا ابوالکلام آزاد نے کسی چور کی سفارش کرنے سے صاف انکار کیا اور واضح کر دیا کہ یہ کام میرے اصولوں کے خلاف ہے۔



(مولانا ابوالکلام آزاد)

مولانا آزاد کے در سے مایوس ہو کر شیخ صاحب گوپالاسوامی آئینگر کے پاس گئے اور انھیں سردار پٹیل کے پاس سفارش کرنے کے لئے آمادہ کیا۔

دونوں جب یہاں سے سردار پٹیل سے ملنے کے لئے روانہ ہوئے تو شیخ صاحب نے گوپالاسوامی آئینگر کو بتایا:

"سردار پٹیل کو معلوم نہیں ہندوستان کے لئے شیخ عبداللہ کی ضرورت کتنی اہم ہے۔ اگر وہ ایک بار میرے کام آئیں تو میں بار بار آ سکتا ہوں ـــ میری سفارش رد کر کے انھوں نے اچھا نہیں کیا۔"

گوپالاسوامی آئینگر شیخ صاحب کی یہ بات گرہ میں باندھ کر انھیں اپنے ساتھ سردار پٹیل کی کوٹھی پر لے گئے۔ یہاں انھیں ایک علیحدہ کمرے میں پورے ایک گھنٹے تک کسمپرسی کی حالت میں رکھا۔ کوئی ایک گھنٹہ کے بعد جب انھیں اندر بلایا گیا تو شیخ صاحب نے بڑی عاجزی سے سردار پٹیل سے مخاطب ہو کر کہا۔

"میری عزت اس وقت داؤ پر لگی ہے۔ آپ میرے لئے کچھ کرتے کیوں نہیں؟!"

سردار پٹیل نے اُنھیں صوفہ کی طرف اشارہ کر کے بیٹھنے کو کہا۔ جیسا کہ اُنھوں نے کچھ سُنا ہی نہیں۔

صوفہ پر بیٹھ کر شیخ صاحب کو دوبارہ ان سے کچھ کہنے کے لئے گویا الفاظ ہی نہیں مل رہے تھے۔ گوپالاسوامی آئینگر نے اُن سے شیخ صاحب کی مدد کرنے کو کہا تو سردار نے بتایا

"میں نے وی۔ پی مینن کو اس کی تحقیقات کے لئے اندور بھیجا ہے۔ وہ آئیں گے تو میں سوچ لوں گا کیا کرنا چاہیئے۔"

شیخ صاحب نے فوراً کہہ دیا۔ "کرنل غلام قادر کو پھنسایا گیا ہے۔ وہ بالکل بے قصور ہے۔ وہ ایسی حرکت کبھی نہیں کر سکتا۔"

"وہ بے قصور ہے یا نہیں" سردار نے جواب دیا۔ "اس کا فیصلہ ہم یہاں نہیں کر سکتے۔ البتہ ہم تک جو اطلاعات پہنچی ہیں۔ ایر پورٹ پر پولیس نے ان سے ہیرے اور جواہرات برآمد کر لئے ہیں اور میرا خیال ہے اُن کو اس کی سزا ہو گی، مہاراجہ ہولکر انھیں آسانی سے چھوڑیں گے نہیں۔"

"اگر آپ اس میں مداخلت کریں گے تو مسئلہ آسان بن سکتا ہے۔ پنڈت جی کی بھی یہی رائے ہے۔"

شیخ صاحب نے انکساری سے کہا اور سردار نے کچھ توقف کے بعد جواب دیا۔

"مینن کو آنے دو، دیکھا جائے گا۔"

شیخ عبداللہ اپنے چیف سیکریٹری کے ساتھ وی۔ پی۔ مینن کے اندور سے واپس آنے تک دہلی میں ہی رہے۔ اس دوران اُن کی حالت قابلِ رحم تھی۔ مرکز کے رہنما انھیں ایک دوسرے کے پاس بھیجکر اُن کی انا کے ساتھ ایسا کھیل کھیلے کہ وہ چند روز میں ٹوٹ ٹوٹ کر رہ گئے۔

اندور سے مینن کی واپسی پر کرنل غلام قادر کے ہیرے جواہرات کی چوری کی جو اطلاعات مل گئی تھیں وہ بھی ایک جاسوسی کہانی سے کچھ کم نہ تھی۔

کرنل غلام قادر جب امریکہ جانے کے لئے ایر پورٹ آ گئے تھے تو سابقہ مہاراجہ اندور کے حکم سے یہاں ان کی جامہ تلاشی لی گئی تھی اور وہ جاکیٹ ضبط کر لی گئی تھی جس میں ہیرے اور جواہرات چھپا کر رکھدئے گئے تھے۔

کرنل کا یہ راز افشا کیسے ہو گیا ــــ؟

مہاراجہ کے دربار کے ایک درزی ہریش چند کی خوبصورت بیوی کرن کے ساتھ کرنل غلام قادر کے خفیہ تعلقات تھے۔ انھوں نے مدتوں پہلے کرن کو نشانی کے طور پر ایک ہیرا دیا تھا اور ان سے یہ وعدہ لیا تھا کہ وہ اسے اپنے پاس محفوظ رکھے اور کسی کو بھی نہ دکھائے۔ کرن نے مدتوں اس ہیرے کو اپنے پاس چھپائے رکھا تھا۔ آخر ایک روز اس کا جی للچایا اور اس نے یہ ہیرا ایک مقامی سُنار سدانند کو انگوٹھی میں فٹ کرنے کے لئے دیا۔ سدانند نے پہلی ہی نظر میں ہیرے کے بارے میں اندازہ لگایا۔ یہ راج دربار سے چوری کر کے لایا گیا ہے۔ اُنھوں نے مہاراجہ ہولکر کے پاس اپنے آپ کو وفادار ثابت کرنے کے لئے یہ بھانڈا پھوڑنے کے لئے موقع غنیمت جانا۔ سدانند نے مہاراج کے دربار تک رسائی

حاصل کر لی اور مہاراجہ ہولکر کی خدمت میں ہیرا پیش کر کے انعام کے طور پر یہی ہیرا حاصل کر لیا۔ چنانچہ ان کی نشاندہی پر جب کرن سے اس ہیرے کی باز پُرس کی گئی تو وہ بتانے سے قاصر رہی کہ اس نے یہ ہیرا کہاں حاصل کیا اور اُسے یہ کس نے دیا۔ اس سلسلے میں کرنل کا نام لے کر وہ چوری کے الزام سے بچ تو جاتی لیکن بدکرداری کے الزام سے نہیں بچ سکتی تھی۔ اُس کی خاموشی کی وجہ سے اُس کے شوہر ہریش کو بھی گرفتار کر لیا گیا تب جا کر اُس نے صاف صاف بتایا کہ یہ ہیرا مجھے کرنل غلام قادر نے دیا تھا۔

اسی وقت کرنل کو طلب کیا گیا تو پتہ چلا کہ وہ امریکہ جانے کے لئے ایر پورٹ گئے ہیں۔ ایر پورٹ پر فون کر کے پہلے انھیں رکوایا گیا۔ پھر ان کی تلاشی لی گئی اور وہ جاکیٹ ضبط کر لی گئی جس میں ہیرے جواہرات چھپائے رکھے تھے۔

کرنل غلام قادر کی تفتیش کی گئی تو وہ اس سے قبل بھی ایکبار ہیرے اور جواہرات امریکہ لیجانے کا اقرار کر چکے تھے جن کی مالیت دس لاکھ روپے لگائی گئی تھی۔

کرنل غلام قادر نے اگرچہ آسانی سے ہیرے جواہرات کی چوری کا اقرار کر لیا لیکن سابقہ مہاراجہ اندور جاننا چاہتے تھے کہ ان کی بیوی جو LEDY FAY کے نام سے انگریز نژاد تھیں، اس چوری میں اُن کا ہاتھ تو نہیں ہے۔ لیکن جب انھیں اس میں اپنی بیوی کے ہاتھ نہ ہونے کا یقین ہو گیا تو انھوں نے تفتیش کرانے میں زیادہ دلچسپی نہیں لی۔

مہاراجہ ہولکر اب کی بار مال واپس ملنے پر کرنل غلام قادر کو معاف کرنے پر تیار تھے۔ لیکن جو دس لاکھ کے ہیرے اور جواہرات وہ مُلک سے باہر بھیجا چکے تھے۔ اس کے لئے مہاراجہ انھیں معاف کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

جب دہلی میں شیخ صاحب کو یہ ساری دلیل سُنائی گئی تو وہ سخت پریشان ہو گئے وہ اپنے برادرِ نسبتی کو بچانے کے لئے بھارتی رہنماؤں کی منت زاری کرنے لگے۔

شیخ صاحب نے پنڈت جواہر لال نہرو سے سفارشی خط حاصل کر کے خود اندور جانے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن انھیں نہ سفارشی خط دیا گیا اور نہ ہی ان حالات میں وہاں جانے کا مشورہ دیا گیا۔

دہلی میں پوری طرح ٹوٹ جانے کے بعد غلام قادر کو بچانے کے لئے شیخ محمد عبداللہ اور سردار پٹیل کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جسے 'بیعنامہ دہلی' بھی کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا۔

معاہدہ کی شرائط کے بارے میں سردار پٹیل نے شیخ عبداللہ کو بتایا:

(۱) آپ کو بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کو حتمی بنانے کے لئے اقدامات کرنے ہوں گے۔

(۲) آپ کو سلامتی کونسل میں بذات خود جاکر مسئلہ کشمیر کے بارے میں ہماری پیروی کرنا ہوگی۔

(۳) وہ ساری رکاوٹیں دور کرنی ہوں گی جو الحاق کے بارے میں حائل ہوں یا ہونگی۔

(۴) رائے شماری کے بارے میں ہمارے مفادات کی رکھوالی کریں گے۔

(۵) بھارت کے مفاد کے خلاف کبھی کوئی کام نہیں کریں گے۔

ان شرائط کو تسلیم کرنے کے بعد سردار پٹیل نے شیخ صاحب سے پوچھا "کیا ہم سلامتی کونسل میں آپ کے جانے کا انتظام کریں ــــ ؟"

شیخ صاحب نے اقرار کر لیا تو سردار پٹیل نے بڑی گرم جوشی سے ان سے شیک ہینڈ کیا اور پھر اپنی گاڑی میں انھیں ایئرپورٹ بھیجا یا جہاں سے وہ گوپالا سوامی آئینگر کے ہمراہ کرنل غلام قادر کو لانے اندور روانہ ہو گئے۔

مہاراجہ ہولکر سے دس لاکھ کا ہرجانہ دے کر کرنل غلام قادر کو چھڑا لیا گیا۔

کرنل غلام قادر کو سزا سے بچانے کے لئے شیخ عبداللہ کے دہلی جانے اور سرینگر واپس آنے کے درمیان نہ صرف کشمیری عوام کی تقدیر بدل گئی بلکہ کشمیر کی تاریخ بھی بدل گئی۔

ایک رشتہ دار کو سزا سے بچانے کے لئے چالیس لاکھ ریاستی عوام کو گروی رکھ دیا گیا۔

دس لاکھ ہیرے جواہرات کے بدلے میں کشمیر کے چالیس لاکھ لوگوں کو ہمیشہ کے لئے بھارت کے حوالے کیا گیا۔ اس طرح ایک ایک ریاستی باشندے کو اس کی زمین و جائیداد کے سمیت صرف چار آنے قیمت مقرر کر کے انھیں فروخت کیا گیا۔

ڈوگرہ راجواڑوں نے انگریزوں سے کشمیری عوام کو ۷۵ لاکھ روپے میں خریدا تھا۔

عوامی راج میں اس قوم کا صرف دس لاکھ میں سوا طے کیا گیا اور وہ دس لاکھ بھی کوئی اور کھا گیا۔ پتہ نہیں وہ کھا بھی گیا یا نہیں۔

کشمیری قوم کی اس سے بڑھکر اور کیا بدقسمتی ہو سکتی ہے کہ اپنے سالارِ کارواں نے اُن کی قیمت صرف دس لاکھ لگا دی۔ جس سالار کارواں کی غیرت نے انھیں اس بات پر

للکارا تھا کہ ڈوگرہ راجواڑوں نے ہمیں ۷۵ لاکھ میں انگریزوں سے خریدا تھا۔ انگریزوں نے ہمیں بھیڑ بکریاں سمجھ کر صرف ۷۵ لاکھ میں فروخت کیا تھا۔ اس بات نے ہمارے لیڈر کا ضمیر جگایا تھا۔ انھوں نے ہمیں بتایا تھا ہم بھیڑ بکریاں نہیں، بلکہ انسان ہیں اور انسان کی کوئی قیمت مقرر نہیں ہو سکتی، انسان انمول ہے۔

مگر آج وہی انسان بے مول بک گئے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ دس لاکھ کے ہیرے اور جواہرات کی خرید و فروخت میں کشمیری قوم کو کچھ بھی نہیں ملا۔

کشمیری عوام نے ان ہیرے اور جواہرات کی شکل بھی نہیں دیکھی جن کے عوض اُن کا سودا کیا گیا۔

کشمیری عوام کے سب سے بڑے حاکم ان کے محبوب رہنما شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے اس واقعہ کے بارے میں اپنی سوانح حیات "آتش چنار" میں بتایا ہے:

"میرے ساتھ سردار پٹیل نے اتنی دور جانے کی جرأت تو نہیں کی۔ لیکن انھوں نے میرے برادرِ نسبتی کرنل غلام قادر عرف ہیری بنڈو کو اپنے عتاب کے لئے چن لیا۔ کرنل غلام قادر مہاراجہ ہولکر کے دربار میں وزیر تھے اور کافی عرصے سے ریاست اندور کے مہاراجہ کی ملازمت سے وابستہ تھے۔ وہ مہاراجہ کے بہت قریب تھے۔ سردار پٹیل کی ایسا پر اُن پر یہ بہتان تراشا گیا کہ وہ مہاراجہ کے ہیرے اور جواہرات بیچنے کے لئے امریکہ جانے والا تھا۔ غلام قادر کو بہت پریشان و سراسیمہ کیا گیا۔ سردار نے اپنے سیکریٹری وی۔ پی۔ مینن کو اندور بھیجا تاکہ وہ اس معاملے کی تحقیق و تفتیش کرے۔ غرض اس بات میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا گیا کہ وہ کسی نہ کسی الزام میں ماخوذ ہو جائے، پس پردہ سرکار کا یہ جذبہ کام کر رہا تھا کہ اس طرح مجھ پر دباؤ ڈالنے اور مجھے پریشان کرنے کا کوئی ذریعہ اُس کے ہاتھ لگے لیکن بڑی جستجو کے باوجود کوئی بات ہاتھ نہ آ سکی، البتہ میرے برادرِ نسبتی کا قافیہ اس قدر تنگ کیا گیا کہ وہ اندور کو خیرباد کہنے کے لئے مجبور ہو گئے۔ میں ان دنوں اقوامِ متحدہ کے لئے ہندوستانی ڈیلی گیشن کے رکن کی حیثیت سے نیویارک جانے والا تھا۔ میں نے سردار کی اس روش پر پنڈت جی

اور گویا لاسوامی آئینگر سے زبردست احتجاج کیا، میں نے انھیں یہ چیلنج بھی دی۔ اگر اس کے بارے میں انصاف سے کام نہ لیا گیا تو میں ڈیلی گیشن سے کنارہ کشی اختیار کروں گا۔ شاید اس وجہ سے سردار کے بڑھتے ہوئے ہاتھ رُک گئے۔ اگر میرا داؤ نہ پڑتا اور سردار کو معلوم نہ ہوتا کہ بھارت کے لئے میری شمولیت کتنی اہم ہے۔ تو وہ غلام قادر کو بڑے گھر کا مہمان بناکر ہی دم لیتے۔"

شیخ محمد عبداللہ کی یہ دلیل اگر تسلیم کر لی جائے کہ کرنل غلام قادر پر بہتان تراشا گیا اور انھیں خوامخواہ پھنسایا گیا اور یہ بھی صحیح مان لیا جائے کہ مرکزی سرکار شیخ عبداللہ پر دباؤ ڈالنے اور انھیں پریشان کرنے کے لئے اس قسم کے اقدامات کر رہی تھی اور وہ انھیں کسی نہ کسی الزام میں ماخوذ کرنا چاہتے تھے۔ تب تو یہ بڑا گمبھیر معاملہ ہے اور پوچھا جا سکتا ہے کہ یہ سب جان کر بھی بھارتی رہنماؤں کی رائے پر آمنا و صدقنا کیوں کیا گیا ــــ؟ ان حالات میں ایسے لوگوں کے ساتھ کسی قسم کا سمجھوتہ گناہِ عظیم کے مترادف ہے جو اپنی غرض کے لئے اس قسم کے اوچھے ہتھیار استعمال کر رہے ہوں۔

اِس دلیل کے مطابق جو شیخ صاحب نے بیان کی ہے ان کے سامنے ایک سیاسی پارٹی کا گھناؤنا روپ تھا جو اُنھیں کسی بھی الزام میں پھنسا کر اُن کا قافیہ تنگ کر کے اور ان پر دباؤ ڈال کر اپنا مفاد حاصل کرنا چاہتی تھی۔ جو ایک ایسے محسن کو ناکردہ گناہ کی سزا دے کر اس کی مجبوری کا ناجائز فائدہ اُٹھا رہے تھے۔ جو اُن کا دوست تھا۔

پوچھا جا سکتا ہے کشمیری عوام کے سب سے بڑے حاکم ہر دل عزیز رہنما قائدِ اعظم جناب شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے یہ سب جان کر بھی عقل و شعور، ایمان اور ضمیر کو کہاں پر رکھ چھوڑا تھا۔ جو اُنھوں نے غلط کار آدمیوں کا ساتھ دیا۔ سب کچھ جان کر بھی اُنھوں نے ایسے لوگوں کی طرف دوستی کا ہاتھ کیوں بڑھایا جو اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے اُن کی عزّت کے ساتھ کھیلنا چاہتے تھے۔

پوچھا جا سکتا ہے کہ جن لوگوں کی نیت ان کے بارے میں صاف نہیں تھی اور جو اُن کو ناکردہ خطاؤں میں پھنسانے کے لئے اخلاق سے بھی گر رہے تھے۔ اُن کی شرافت، نیک سیرت اور احسان کے گیت سارے عالم میں کیوں گائے۔؟! ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۳ء تک

اُن کی تعریفیں کر کے انھیں روشنی کا مینار کیوں بنا دیا۔ اُن کی دوستی کی قسمیں کیوں کھائیں۔

ایک ایسے وقت میں جب الحاق کے مسودے پر دستخط کی سیاہی گیلی تھی اور ساری دُنیا مسئلہ کشمیر کے بارے میں کشمیری عوام کے ساتھ پوری ہمدردی رکھ رہی تھی۔ ہر قسم کی مدد دینے کے لئے بالکل تیار و راضی تھی، ایسے وقت میں ساری دُنیا کا مطالبہ ٹھکرا کر اُن لوگوں کا ساتھ کیوں دیا۔ جو چوری کے الزام میں آپ کو دبانا چاہتے تھے۔ وہ دوستی کا وشواس گھات کر کے بہت نیچے جا رہے تھے ــــ وہ آپ کو بلیک میل کر رہے تھے؟

پوچھا جا سکتا ہے کہ جب آپ کے سامنے بھارتی رہنماؤں کی نیت واضح ہو چکی تھی اور جب وہ اپنی غرض کے لئے آپ جیسے محسن پر کوئی بھی الزام لگا کر کوئی بھی حرکت کرنے پر آمادہ تھے۔ تب آپ کی غیرت کہاں کھو گئی تھی جو آپ نے ان کی غلط سوچ اور ناجائز اپروچ کا ساتھ دیا۔

بقول آپ کے بھارتی رہنماؤں نے آپ پر اور آپ کے برادرِ نسبتی پر چوری کا الزام لگانے سے بھی دریغ نہیں کیا، پھر بھی آپ نے اُن کے حق میں ڈیلی گیشن کا ممبر بن کر نیویارک جانے کا اقرار کیوں اور کیسے کر لیا ــــ؟ آپ کے ضمیر نے ایسا کرنے کی اجازت کیسے دی؟! ایک ایسا شخص جو ایمان اور اصول، ذہن اور ضمیر رکھتا ہو اور اتفاق سے لاکھوں لوگوں کا رہنما بھی ہو۔ جب اس کے سامنے ایک مُلک اور اس مُلک کے لیڈروں کی شبیہہ سامنے ہو، جب وہ جان گئے ہوں۔ اُن کی نیت صاف نہیں، اُن کا طریقۂ کار غلط ہے۔ اُن کا اپروچ بالکل نامناسب ہے۔ اپنی غرض کے لئے یہ لوگ اپنے بھائی کی پگڑی اُتار کر اسے پاؤں تلے روندھنے میں کوئی پس و پیش نہیں کرتے تو اُن کی مکمّل اور بھرپور حمایت کرنے کا آپ کے پاس کیا جواز ہے۔؟

اگر شیخ صاحب واقع سمجھتے تھے کہ میرا برادرِ نسبتی بے قصور ہے اور وہ میری وجہ سے چوری کی زد میں لایا گیا ہے تو اس صورت میں ایک ایماندار باضمیر اور غیرت مند شخص اُن لوگوں پر بھروسہ کرنے کے بجائے صرف خدا پر بھروسہ کر سکتا تھا۔ وہ اپنے برادرِ نسبتی کو ایک بھاری قیمت دے کر بچانے کے بجائے انھیں حالات کے سپرد کر دیتے۔

کیونکہ اس دُنیا میں ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں جو مختلف جیلوں میں اپنی بے گناہی کی سزائیں کاٹ رہے ہیں۔ اُن میں ایک اور شخص کرنل غلام قادر کا اضافہ ہو جاتا تو کیا فرق پڑتا۔ خود شیخ صاحب کے اس دور حکومت میں بے شمار بے گناہ اپنی ناکردہ خطاؤں کی سزا کاٹ رہے تھے۔ جن میں اُن کے رشتے دار نہ سہی۔ البتہ اپنے ساتھی ضرور شامل تھے۔

کرنل غلام قادر نے چوری کی تھی یا نہیں ۔! لیکن انھیں بچانے کے لئے شیخ صاحب سے جو قیمت مانگی گئی۔ ایسی قیمت دینا کیا مناسب تھی ؟!

جہاں تک واقعات کا تعلق ہے کرنل غلام قادر کو ایئر پورٹ پر رنگے ہاتھوں پکڑا گیا اور جو جاکیٹ ان سے حاصل کر لیا گیا۔ اس میں ہیرے اور جواہرات چھپا کر رکھ دئے گئے تھے۔

انصاف اور قانون کا تقاضا تو یہی تھا کہ انھیں اس کا خمیازہ بھگتنے کے لئے کہا جاتا، قومی لیڈر ایک حاکم کے برادرِ نسبتی ہونے کے باوجود اس بارے میں انصاف اور قانون کا احترام کیا جاتا ـــ یہ سب جاننے کے بعد کہ اس الزام کی آڑ میں اُن کے ساتھ ایک بہت بڑا سودا کیا جا رہا ہے جس سودے کے ساتھ کشمیری قوم کی تقدیر اور ان کا مستقبل وابستہ ہے۔ کرنل غلام قادر کی سفارش کرنا اس قوم کی تقدیر کے ساتھ کھیلنا اور اُن کا مستقبل داؤ پر لگانے کے مترادف تھا۔

بہر حال اس ساری کاروائی کی آڑ میں کشمیری قوم کے مقدر میں ایک فیصلہ لکھا جانا تھا سو لکھ دیا گیا ـــ کل شیخ صاحب نے اپنے برادرِ نسبتی کو قید میں جانے سے بچا لیا اور جن ہاتھوں سے بچا لیا۔ آج اُنہی ہاتھوں نے شیخ عبداللہ کو قید کر دیا۔

اس طرح قدرت کے قانون نے اپنا فیصلہ سُنا ہی دیا۔



اوپر :- پنڈت نہرو شیخ صاحب کی سفارش کرنے سے انکار کے موڈ میں۔
درمیان میں :- سردار پٹیل - لگتا ہے شیخ عبداللہ کی انا مجروح کر رہے ہیں۔
نیچے :- نہرو اور پٹیل شاید شیخ صاحب کی مجبوری کا پورا پورا فائدہ اٹھانے کا مشورہ کر رہے ہیں۔



پنڈت جواہر لال نہرو اور سردار پٹیل کا موٹر بتا رہا ہے کہ
وہ شیخ عبداللہ کے سامنے ڈراما کر رہے ہیں۔

وہم و گماں نے آپ ہی کھینچ لیے ہیں دائرے
تنگ ہے آرزو کا ہاتھ زورِ حصار میں نہیں

شیخ محمد عبداللہ کی نوکری اور شادی کے پوشیدہ گوشے

کرنل غلام قادر عرف ہیری نیڈو کی صفائی میں شیخ محمد عبداللہ نے جو کچھ بھی کہا اس پر اس لیے اعتبار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ انھوں نے اپنے خاندان کے بارے میں ہمیشہ سے مصلحت سے کام لیا ہے۔ جہاں انھوں نے دیکھا سچائی کے بیان سے یا کسی انکشاف سے ان پر یا ان کے خاندان پر ذرا بھی اثر پڑ سکتا ہے، وہاں انھوں نے مکمل خاموشی سے کام لیا ہے۔ میں یہاں پر درجنوں مثالوں میں سے صرف دو مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں جو ایک ان کی ملازمت اور دوسری ان کی شادی کے ساتھ وابستہ ہے۔

شیخ صاحب جب علی گڑھ اور لاہور سے فارغ التحصیل ہو کر آئے اور یہاں گورنمنٹ ایم۔ پی اسکول باغ دلاور خاں میں بحیثیت استاد مقرر ہوئے تو انھوں نے اپنی تنخواہ پینتالیس روپے بتائی، حالانکہ تحریری ثبوت سے یہ بالکل غلط ثابت ہو جاتا ہے اس دوران اُن کی تنخواہ اُنیس روپے نو آنے چھ پائی تھی۔

ایم، پی اسکول میں جب وہ بحیثیت ٹیچر ملازمت کر رہے تھے۔ اس وقت کشمیر کی سیاست میں اُبال آ چکا تھا۔ اور ڈوگرہ شاہی کے خلاف تحریک کی ابتدا ہو چکی تھی۔ اس تحریک کی آبیاری کے لیے پڑھے لکھے جوانوں کو جمع کیا گیا تھا۔ کچھ مدّت کے بعد اس تحریک میں شیخ صاحب بھی شامل کیے گئے۔

تحریک زور پکڑنے لگی تو ان کے بارے میں یہ اطّلاع آ گئی کہ انھوں نے تحریک میں

نئی جان ڈالنے کے لیے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا - جو بالکل غلط تھا۔ اور ان میں اتنی اخلاقی جرأت بھی نہ تھی کہ وہ اس کی تردید کرتے اگر وہ صاف صاف کہہ دیتے مجھے نوکری سے نکال دیا گیا ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ ان کے ساتھ ہمدردی کچھ زیادہ ہی بڑھ جاتی۔

۱۹۳۱ء سے لے کر ان کے انتقال تک انہیں اس بارے میں صاف اور سچ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی، پچھلے چالیس سال میں ہمیں چالیس ہزار بار نوکری سے استعفیٰ دینے کے بارے میں کہا گیا لیکن ایک بار بھی یہ نہیں کہا گیا کہ ہم کو نوکری سے نکال دیا گیا تھا یہ بھی نہیں بتایا گیا، نوکری سے نکالنے کا الزام سیاسی نہیں بلکہ کچھ اور ہی تھا۔ مجھے اس بات سے ہرگز اتفاق نہیں کہ شیخ عبداللہ پر جو بدچلنی کا الزام لگایا گیا اور جس کی پاداش میں انھیں نوکری سے نکال دیا گیا وہ صحیح ہے۔

ہوسکتا ہے شیخ صاحب کو دبانے اور انہیں زیر کرنے کے لیے ان پر جھوٹا الزام لگایا گیا ہو، لیکن صحیح واقعات کو چھپانا ہرگز مناسب نہیں۔

اسٹیٹ ہائی اسکول کے اولڈ ریکارڈ کے مطابق شیخ محمد عبداللہ کا اوّل پھاگن ۱۹۸۶ بکرمی کو بحیثیت سیکنڈ ٹیچر کے طور پر تقرر ہوا ہے۔ اس عہدے پر وہ ۱۰ ہاڑ ۱۹۸۸ بکرمی تک فائز رہے۔ ۱۰ ہاڑ کے روز "اسکول کا نظم و نسق خراب کرنے کی" شکایت رجسٹر پر درج کر کے سرکاری احکامات کے مطابق انہیں سرکاری ملازمت سے برطرف کیا گیا۔ برطرفی کا آرڈر لے کر شیخ عبداللہ ۱۱ ہاڑ کو لال منڈی کے ایجوکیشن آفس جاتے ہیں اور میکڈرمٹ سے فریاد کرتے ہیں۔ لیکن میکڈرمٹ کسی قسم کی مدد کرنے سے انکار کر کے انھیں وزیر تعلیم نواب خسرو جنگ کے پاس بھیج دیتے ہیں۔

نواب خسرو جنگ ان کی پیشی ۱۶ ہاڑ کو مقرر کرتے ہیں۔ اس روز جب شیخ صاحب نواب کے سامنے اپنی صفائی پیش کرتے ہیں تو وہ ناکتفی سمجھ کر ڈسچارج کا آرڈر بحال رکھتے ہیں۔ نواب خسرو جنگ کے دفتر سے نامراد واپس آکر شیخ صاحب اسی روز شام کو جامع مسجد کے پاس پبلک اجتماع میں نوکری سے مستعفی ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔

ان کے اس کارنامے پر عوام اور خواص کی طرف سے انہیں نہ صرف شاباشی ملتی ہے بلکہ انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے۔

شیخ صاحب کی سوانح حیات "آتشِ چنار" جو اُن کی موت کے بعد منظرِ عام پر آئی ہے

اس میں انھوں نے اس واقعہ کے بارے میں کچھ کچھ میری دلیل کی تصدیق کی ہے۔

"میکڈرمٹ نے میری پیٹھ تھپتھپائی، اس کے بعد وزیر تعلیم نواب خسرو جنگ کے پاس میری پیشی ہوئی۔ میں نے وہاں جا کر اپنا مطمحِ نظر رکھ دیا اور گھر لوٹ آیا۔ مستعفی ہونا چاہا مگر کافی دیر ہو چکی تھی میں ملازمت سے برطرف کر دیا گیا تھا۔"

اگرچہ میں اس بات سے اتفاق نہیں کرتا۔

البتہ شیخ محمد عبداللہ کو بدچلنی کے الزام میں نوکری سے برخاست کیے جانے کی تصدیق اُس خط سے بھی ملتی جو ۲۲ اگست ۱۹۳۱ء کو وزیر اعظم ہری کرشن کول نے شمس العلماء خواجہ حسن نظامی کو لکھا ہے، یہ خط 'کشمیر کمیٹی' کے ریکارڈ میں موجود ہے۔ اس خط کا ذکر ہمیں 'تحریک آزادیٔ کشمیر اور جماعتِ احمدیہ' کی جلد ششم حصّہ دوم میں ملتا ہے۔

نوکری سے مستعفی ہونے یا نکال دیے جانے کے بارے میں 'آتشِ چنار' میں بھی حقائق واضح نہیں کیے گئے ہیں۔ نوکری کے ساتھ اپنی شادی کے بارے میں بھی انھوں نے ابتداء سے اختتام تک حقایق چھپانے کی کوشش کی ہے۔

انھوں نے کسی بھی جگہ اس کا معمولی ذکر تک نہیں کیا کہ بیگم اختر جان جو کسی سبب سے پہلے اکبر جان اور پھر اکبر جہاں بن گئی ایک شادی شدہ عورت تھی جس کے ساتھ میں نے بیاہ کیا۔

دوسری شادی کرنا یا شادی شدہ عورت سے شادی کرنا اگر وہ آزاد ہو چکی ہو اس کے ساتھ بیاہ کرنا مذہب اسلام میں کسی بھی طرح غلط یا بُرا نہیں۔ لیکن شیخ صاحب نے اپنی زندگی اس پر حجاب پردہ ڈالے رکھا وہ ان کی صاف گوئی پر ضرور حرف لا رہا ہے۔

جو شخص زندگی کے ہمسفر اور شریک حیات کے بارے میں اہم بات چھپا سکتا ہے، اس سے دوسرے حقایق کی صحیح نشاندہی کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔

اپنی کتاب 'آتشِ چنار' میں انھوں نے اپنی بیگم کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے لیکن یہ بتانا گوارہ نہیں کیا ہے کہ اُن سے پہلے وہ کسی اور کی بھی بیوی رہ چکی ہے۔ میں اس بات کو پھر دہرا رہا ہوں، دوسری شادی کرنا نہ کوئی غلطی ہے نہ کوئی قصور۔ یہ ہرگز ایسی

بات نہیں جسے چھپایا جاسکے۔

شیخ عبداللہ کی سوانح حیات "آتشِ چنار" کی خوبی یہ ہے کہ ایک ہزار صفحات میں کوئی دس ہزار واقعات درج ہیں جن کے ساتھ وہ خود دانستہ یا نادانستہ، بالواسطہ یا بلاواسطہ منسلک ہیں لیکن دس ہزار واقعات میں انھوں نے ایک آدھ غلطی بھی کہیں تسلیم نہیں کی ہے۔ جہاں کوئی غلطی اُجاگر ہو بھی گئی ہے اُسے اپنی منطق سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

بیگم اکبر جہاں کی شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ شادی بیاہ کا ذکر کرنے سے پہلے مناسب یہ رہے گا کہ پہلے بیگم عبداللہ کا پس منظر بیان کیا جائے۔ کیونکہ شیر کشمیر کے ساتھ وابستہ ہو کر مادر مہربان کی شخصیت بڑی اہمیت کی حامل بن گئی ہے۔

اکتوبر ۱۹۳۳ء میں مائیکل ہیری نیڈو کی بیٹی اختر جان کی شادی شیخ محمد عبداللہ سے ہوئی، ہیری نیڈو سرینگر کے ایک قدیم ہوٹل نیڈوز کے مالک کے بڑے بیٹے تھے۔ نیڈوز فیملی اصل میں یورپ سے یہاں آئی تھی اور انھوں نے کشمیر کے ساتھ لاہور اور پونہ میں ہوٹل بنوائے تھے۔ کشمیر میں سرینگر کے علاوہ ان کا ہوٹل گل مرگ میں بھی ہے۔ ان کا قیام گرمیوں میں عموماً گلمرگ میں ہی ہوا کرتا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ مائیکل ہیری نیڈو بڑا عاشق مزاج تھا اور گلمرگ کے قیام کے دوران وہ میر جان نامی ایک گوجر لڑکی پر پہلی ہی نظر میں فدا ہو گیا تھا۔

میر جان کا باپ نیڈوز ہوٹل میں دودھ دیا کرتا تھا ایک روز اس کی طبیعت ناساز ہو گئی تو اُس نے اپنی جوان اور حسین بیٹی کو دودھ لے کر ہوٹل بھیج دیا۔ مائیکل ہیری اس وقت ہوٹل ہائی لینڈ کے پارک میں بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا کہ اس کے کانوں میں چھم چھم کی آواز آنے لگی وہ اس آواز کی طرف متوجہ ہوا تو دائیں جانب کی اترائی سے اس کی نظر ایک گھڑے پر پڑ گئی دوسرے لمحے وہ سرنمودار ہوا جس پر دودھ کا گھڑا رکھا ہوا تھا۔ دودھ کے اس گھڑے کو میر جان نے ایک ہاتھ سے پکڑ رکھا تھا۔

جب وہ اترائی سے چڑھائی کی طرف آکر سر سے پاؤں تک نمودار ہو گئی تو پازیب کی چھم چھم اور چوڑیوں کی چھنکار کی موسیقی میں ایک حسین پیکر نے مائیکل ہیری نیڈو کو بیہوش سا کر دیا۔ وہ دل تھام کر اور ٹکٹکی باندھ کر تب تک اُسے دیکھتا رہا، جب تک کہ وہ اس کے قریب آگئی اور پھر اندر جا کر دودھ کا گھڑا خالی کرنے لگی۔

ہیری نیڈو نے اُسے اشارے سے اپنے پاس بُلایا، سرتاپا اِس حسین پیکر کو دیکھا اور اُسی وقت فیصلہ کر لیا کہ میں اِسے حاصل کر کے ہی رہوں گا۔

دونوں اس وقت شباب کی اس منزل میں تھے جب ہر قدم پر لغزش کے امکانات ہوتے ہیں یہ عمر کا وہ والہانہ دور تھا جب کسی جھنکار اور کسی کھنک سے آدمی کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہیری نیڈو میر جان سے عمر میں بڑا تھا، لیکن میر جان بھی نابالغ بھی نہیں تھی ـــــ دوسرے روز میر جان پھر دودھ لے کر آگئی تو ہیری نیڈو گیٹ پر اس کا انتظار کر رہا تھا۔ تیسرے روز جب میر جان کا باپ حسبِ معمول دودھ لیکر آگیا تو ہیری نیڈو نے فرمانا۔ اور اُس نے صاف صاف کہہ دیا ہم اُسی صورت میں تمہارا دودھ لیں گے، اگر اسے بیٹی کے ہاتھ بھیجا کرو گے۔

میر جان کا باپ اس سوال سے دم بخود ہو گیا اور وہ سمجھ گیا دال میں کچھ کالا ہے کیوں کہ یہاں کے لیے دودھ لے کر آنے سے پہلے اس کی بیٹی نے بھی اُس سے کہا تھا کہ 'میں خود ہی دودھ لے کر جاؤں گی۔ میر جان کا باپ واپس گھر آیا تو صرف آدھ گھنٹے کے اندر اُن کے کوٹھے کے دروازے پر ہیری نیڈو حاضر ہو گیا۔ ایک ہفتہ کے اندر اندر مرگ میں مائیکل اور میر جان کے عشق کے چرچے پھیل گئے تو لڑکی کے باپ نے مائیکل کے سامنے ہاتھ جوڑ کر اس کی بیٹی کا پیچھا چھوڑنے کی استدعا کی لیکن اس نے صاف صاف کہدیا، کہ میں تمہاری بیٹی کے ساتھ شادی کروں گا اور اسے اپنی بیوی بناؤں گا جو تم مانگو گے میں دیدوں گا۔

میر جان کے باپ نے اس بارے میں اپنی برادری سے مشورہ کیا تو انھوں نے ایک غیر مذہب کے آدمی کے ساتھ مسلمان لڑکی کی شادی کو معیوب قرار دیا۔ ہیری نیڈو نے یہ بات سُنی تو انھوں نے میر جان کے لیے اسلام قبول کرنے کا اقرار کر لیا، چنانچہ ایک تقریب کے دوران اس نے مذہب اسلام قبول کر لیا اور ملّا علی بخش نے ان کا نام شیخ احمد حسین رکھ دیا۔

میر جان کے ساتھ شادی کرنے کے بعد مائیکل ہیری نیڈو نے اُسے اپنے ساتھ یورپ کے کئی ممالک کی سیر کرائی اور یورپ سے واپسی پر اُس نے کافی وقت لاہور میں گزارا۔ ان دونوں کا پیار شادی کے بعد اور شدّت اختیار کر گیا جیتے جی دونوں نے ایک دوسرے کا خوب ساتھ نبھایا۔

ان کے بطن سے بیٹی اختر جان اور بیٹا غلام قادر عرف ہنری نیڈو، شیخ شمس الدین